

سب فلسفے جہاں کے غلط او فضول ہیں
ہم کو فقط حضور کی باتیں قبول ہیں

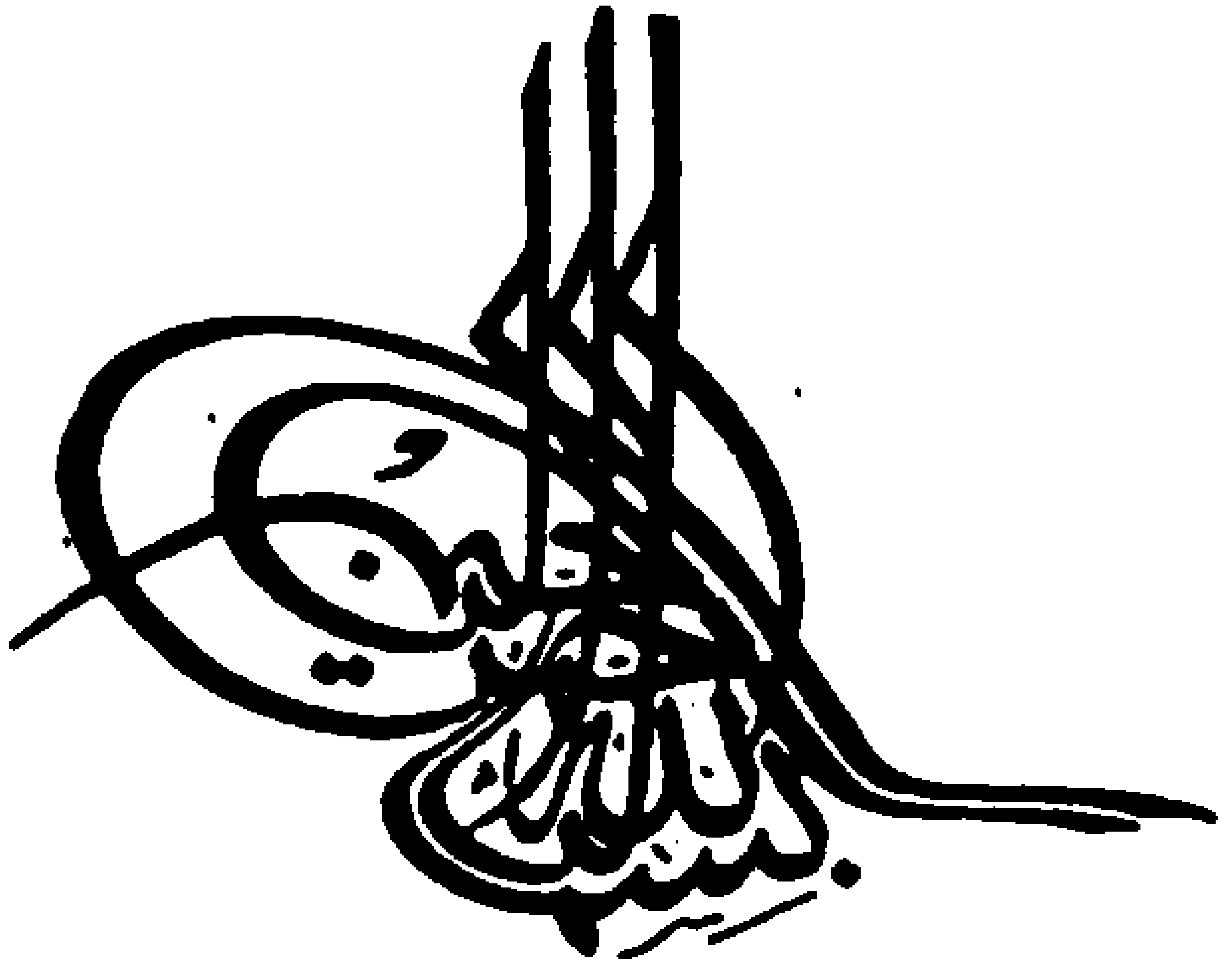
خطبات ابوبکر

خطیب العصر صاحبزادہ محمد ابوبکر چشتی

حصہ اول

مرتبہ: محمد عمر فیض

ناشر: شعبہ اصلاح و تبلیغ جامعہ صدیقیہ تاج العلوم
جامع مسجد چوہدریاں رتہ امرال راولپنڈی





سب فلسفے جہاں کے غلط اور فضول ہیں
ہم کو فقط حضور کی باتیں قبول ہیں

خطباتِ ابوبکر

خطیب العصر صاحبزادہ محمد ابوبکر چشتی

حصہ اول

مرتبہ: محمد عمر فیض

ناشر: شعبہ اصلاح و تبلیغ جامعہ صدیقیہ تاج العلوم
جامع مسجد چوہدریاں رتہ امرال راولپنڈی

خطبات ——— خطیب العصر صاحبزادہ محمد ابوبکر چشتی
مرتبہ ——— محمد عمر فیض
تعداد ——— ایک ہزار
باراول ——— اپریل ۱۹۹۰ء
مطبع ——— عصمت پرنٹرز
نزد [illegible] راولپنڈی
زیراہتمام ——— شعبۂ اصلاح و تبلیغ
جامعہ صدیقیہ تاج العلوم
مرکزی جامع مسجد چوہدریاں
رتہ امرال راولپنڈی
کتابت ——— محمد اسلم چیمہ

انتساب

میں ان خطبات کو حضور قبلہ سیدی استاذی جدی علامہ مولانا،
سید رسول چشتی المعروف باباجی رحمۃ اللہ علیہ کے اسم گرامی سے،
منسوب کرتا ہوں' جن کی توجہ، تربیت اور تعلیم سے سینکڑوں آفتاب
آسمانِ علم پر چمکے اور دھر میں اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے
اُجالا کر دیا:

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

ابوبکر چشتی

مناجات

امامِ اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

یا الٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو
جب پڑے مشکل شہِ مشکل کشا کا ساتھ ہو

یا الٰہی بھول جاؤں نزع کی تکلیف کو
شادیِ دیدارِ حُسنِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو

یا الٰہی گورِ تیرہ کی جب آئے سخت رات
ان کے پیارے مُنہ کی صبحِ جاں فزا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب زبانیں باہر آئیں پیاس سے
صاحبِ کوثر شہِ جود و عطا کا ساتھ ہو

یا الٰہی سرد مہری پر ہو جب خورشیدِ حشر
سیّدِ بے سایہ کے ظلِّ لوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی گرمیِ محشر سے جب بھڑکیں بدن
دامنِ محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی نامۂ اعمال جب کھلنے لگیں
عیب پوشِ خلق ستّارِ خطا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب بہیں آنکھیں حسابِ جُرم میں
ان تبسّم ریز ہونٹوں کی دعا کا ساتھ ہو

یا الٰہی رنگ لائیں جب مری بے باکیاں
ان کی نیچی نیچی نظروں کی حیا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب چلوں تاریک راہِ پل صراط
آفتابِ ہاشمی نورُ الہدیٰ کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب سرِ شمشیر پر چلنا پڑے
ربِّ سلِّم کہنے والے غمزدہ کا ساتھ ہو

یا الٰہی جو دعائے نیک میں تجھ سے کروں
قُدسیوں کے لب سے آمین ربّنا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب رضاؔ خوابِ گراں سے سر اٹھائے
دولتِ بیدارِ عشقِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو

نعت

محمد عمر فیض

بگڑ گیا ہے مرا کاج یا رسول اللہ : صلی اللہ علیہ وسلم
رکھو غریب کی اب لاج یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
بنتا رہا ہے ترا تاج یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سدا رہے گا ترا راج یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ترے فراق میں آنسو جو آنکھ سے ٹپکے :
یہی بنیں گے مرا داج یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
میں غم زدہ ہوں مصیبت نے آکے گھیرا ہے
مدد کو آئیے پھر آج یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
غریب فیض کو جلوہ دکھایا تو نے
مری تو ہوگئی معراج یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
تمام غوث و قطب اور انبیاء و رسول
تمہارے رہے ہیں محتاج یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نعت

محمد عمر فیض

بگڑ گیا ہے مرا کاج یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم
رکھو غریب کی اب لاج یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
بیتا رہا ہے ترا تاج یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سدا رہے گا ترا راج یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ترے فراق میں آنسو جو آنکھ سے ٹپکے
یہی بنیں گے مرا داج یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

میں غم زدہ ہوں مصیبت نے آکے گھیرا ہے
مدد کو آیئے پھر آج یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

غریب فیض کو جلوہ دکھایا تو نے
مری تو ہو گئی معراج یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تمام غوث و قطب اور انبیاء و رسول
تمہارے در کے ہیں محتاج یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

میں برادرِ اصغر عزیزم محمد عمر فیض کے لئے بھی دُعاگو ہوں جس نے خطبات کو تحریری شکل دی۔ اللہ پاک عزیز کے علم و عمل اور عمر میں لا فانی برکتیں پیدا فرمائے۔

آمین یا ربّ العلمین

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔

خادم العلماء

محمد ابوبکر چشتی

جنوری ۱۹۸۸ء

فہرست

۱.	انتساب		۵
۲.	مناجات		۷
۳.	نعت رسول	صلی اللہ علیہ وسلم	۹
۴.	پیش لفظ		۱۳
۵.	عرضِ محرر		۱۵
۶.	مقامِ کبریا کیا ہے؟		۱۷
۷.	مقامِ مصطفیٰ کیا ہے؟	صلی اللہ علیہ وسلم	۲۷
۸.	اتباعِ مصطفیٰ	صلی اللہ علیہ وسلم	۴۱
۹.	میلادِ مصطفیٰ	صلی اللہ علیہ وسلم	۵۷
۱۰.	اسوۂ حسنہ		۶۷
۱۱.	تصورِ عبادت		۸۹
۱۲.	تقویٰ		۱۱۱

ان کے سچا ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں لیکن ابھی میرا دامن ہزاروں عیوب سے آلودہ ہے ممکن ہے کسی موتی کا تقدس مشکوک ہوگیا ہو اس لیے میں علمی صرّافوں کی خدمت میں گذارش کرتا ہوں کہ مجھے میرے عیوب و نقائص سے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں یہ موتی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ طالبانِ حقیقت تک پہنچ سکیں۔

خطبات ابوبکر کا اندازِ تحریر کچھ ایسا رکھا گیا ہے کہ خطباء اور مقررین کے علاوہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبا بھی کافی حد تک فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ارباب علم جانتے ہیں کہ تقریر کا انداز اور ہوتا ہے اور تحریر کا کچھ اور، جب تقریر کو تحریر میں ڈھالنا ہو تو کئی مقامات پر نوک پلک سنوارتے ہوئے تصریحات کرنی پڑتی ہیں۔ حوالہ جات دینے پڑتے ہیں۔ اور بعض مرتبہ اقتباسات بھی ناگزیر ہوتے ہیں جو بہت مفید ثابت ہوتے ہیں۔

برادرِ محترم چونکہ تقریر اکثر پنجابی زبان میں کرتے ہیں اس لیے خطبات میں بعض مقامات پر اُن کا پنجابی انداز بھی در آیا ہے۔ جو اُن کا اصل رنگ ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص پنجابی زبان کا عظیم خطیب اور شعلہ بیان مقرر بھی ہو۔ اس کے باوجود رومیٔ کشمیر حضرت میاں محمدؒ اور بابا بلھے شاہ قصوریؒ وغیرہ صوفیا کے کلامِ عشق و مستی سے بے نیاز ہو جائے۔

بالآخر یہ بندۂ حقیر اعترافِ عجز کرتے ہوئے بارگاہِ صمدیت اور بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ملتجی ہے یا ارحم الراحمین! اگر اس کتاب میں کوئی خوبی ہے تو فقط تیری طرف سے ہے تو کریم ہے قبول فرما اور اگر کوئی خامی ہے تو فقط میری طرف سے ہے، میں مجرم ہوں مجھے معاف فرما!

یا رحمۃ للعٰلمین! میں بھی آپ کے در کا کتا ہوں، یہ میں نے کہا! آپ بھی تو فرما دیجئے کہ ہاں تم میرے کتے ہو۔ وَاللہ! میری بگڑی بن جائے گی! میرا بخت سنور جائے گا۔

من کیستم کہ با تو دم دوستی زنم
چندیں سگانِ کوئے تو یک کمترین منم

محمد حسن فیض
فتح شادپوری۔ گجرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نعلین پاک کے تصدق میں مجھے بھی سگانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صف میں کھڑا ہونے کا شرف بخشا۔ یہ انعامِ کریمانہ صرف مجھ پر ہی نہیں ہوا بلکہ سات پشتوں سے میرے آباؤ اجداد ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا تحفظ کرتے چلے آ رہے ہیں۔
بقول میر انیس ؎

عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
ساتویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

"خطباتِ ابوبکر" دراصل میری اُن چند تقاریر کا مجموعہ ہے جو میں نے مختلف مواقع پر مجوزہ عنوانات کے تحت کیں۔ تقریری سطح پر اتنا مصروف رہتا ہوں کہ تحریری سطح پر کبھی سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ خطبات کا یہ مجموعہ جو آپ دیکھ رہے ہیں صرف اور صرف ایک مخلص دوست کی انتہائی محبت و کاوش کا نتیجہ ہے۔ جنہوں نے بغیر اپنا آتا پتا بتائے قبل از وقت کلی طور پر مالی معاونت فرما کر مجھے خطبات مرتب کرانے پر مجبور کر دیا۔ اللہ پاک اُن کے اس خلوص اور للّٰہیت کو اپنی بارگاہِ کرم میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ اُن کے اس اندازِ معاونت سے پتہ چلتا ہے کہ ؎

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

اپنے محبوب کو خطاب کرتا ہے تو اتنے پیار بھرے انداز کے ساتھ کہ کہیں اجنبیت وغیریت کا کوئی تصور ہی نہیں رہتا جو الفت ومحبت کی کیفیت لفظِ قُل میں پوشیدہ ہے۔ وہ کوئی محب ہی محسوس کرسکتا ہے۔ ہر ایک کے بس کی بات نہیں کیونکہ ؎

محبت کے لئے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پہ گایا نہیں جاتا

اسی لئے کشتۂ عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قُل ہو اللہ احد کا ترجمہ کیا ہے۔ "تم فرماؤ وہ اللہ ہے' وہ ایک ہے"۔ سبحان اللہ کیا خوب ترجمہ فرمایا کہ شانِ الوہیت بھی جلوہ گر نظر آرہی ہے اور وہ کیفیتِ محبت بھی نمایاں ہے جو اللہ پاک کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ پھر ایک نظر اعلیٰ حضرت کے ترجمہ پر ڈالیے اور پہلے دو الفاظ پر غور کیجئے کہ لفظ "تم" میں وہ جاہ وجلال جھلکتا ہے جو ایک معبود کا اپنے عبد پر اور ایک خالق کا اپنی مخلوق پر ہوتا ہے۔ ترجمہ کے دوسرے لفظ "فرماؤ" میں لطف ومحبت کا وہ جام چھلکتا ہے جو ایک محب اپنے محبوب کو پلا کر مسحور ومسرور کرنا چاہتا ہے۔ بقول اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ؎

قُل کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے ترے سنی
اللہ کو ہے کس قدر تری گفتگو پسند

فرمایا: میرے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تم فرماؤ کہ میں ایک ہوں اس لیے کہ اگر کوئی مجھے ایک مانے تو چاہتا ہوں کہ تیری زبان سے سن کر ایک مانے۔ کوئی مجھ کو پہچانے تو تیری وساطت سے پہچانے۔ کوئی مجھ تک آئے تو تیرے در پر دریوزہ گری کرکے آئے تاکہ تیری چوکھٹ کی عظمت ورفعت واضح ہوجائے۔ کہ تیرا دربار وہ دربار ہے جہاں پہنچ کر خود ناشناس خداشناس ہوجاتے ہیں تیرے خمخانۂ نبوت ورسالت میں معرفتِ خداوندی کے وہ جام گردش کررہے ہیں کہ جن سے فقط ایک گھونٹ پی کر نگاہوں میں وہ مستی آجاتی ہے کہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نگاہِ کرم سے نوے لاکھ ہندوؤں کے کفر کی تاریکی

عرضِ محرّر

سب تعریفیں اس خدائے بزرگ و برتر کے لئے ہیں جس نے کائنات کو تخلیق کر کے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔ اور ہمیں اپنے محبوب علیہ التحیۃ والثناء کے چرنوں میں جگہ عطا فرمائی۔

جن کی نگاہِ کرم نے ذرّوں کو رشکِ آفتاب اور قطروں کو سمندروں کی وسعتیں عطا کیں

میں کوئی عالم ہوں نہ ادیب اور نہ ہی نثر نگار۔ ہاں ایک فخر ضرور حاصل ہے کہ کبھی کبھی علمائے حق کی کفش برداری کی سعادت بھی نصیب ہو جاتی ہے اور ان کے حکمت آموز کلمات سے دامنِ مراد بھرنے کا موقع بھی میسّر آجاتا ہے۔

جب اخی الاکبر حضرت علامہ صاحبزادہ محمد ابو بکر چشتی دامت برکاتہم العالیہ نے مجھے خطبات تحریر کرنے کا حکم دیا تو میں نے بایں الفاظ معذرت چاہی کہ "نہ اقرار می کنم نہ ایں کار می کنم" کیونکہ ایک طرف مجھے میری کم علمی اور تنگ دامانی متوحش کر رہی تھی اور دوسری طرف علم لسانیات کا بحرِ بیکراں میرے سامنے ٹھاٹھیں مار رہا تھا جس کی گیرائی اور گہرائی کا مجھے اندازہ نہ تھا۔ ابھی تک میری نگاہیں تو صرف اُن موجوں پہ تھیں جو ساحل تک آتے آتے دم توڑ دیتی ہیں لیکن قادر و قدیر پروردگار کو جو منظور تھا ہو کر رہا۔ توفیقِ ایزدی میرے شاملِ حال ہوئی۔ برادرِ مکرم نے حوصلہ بڑھایا اور اس دُعا کے ساتھ داخلِ سمندر ہونے کا حکم دیا۔ ؎

خُدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے

میں خدا خدا کر کے کم گہرے پانی کی طرف سے داخل ہو گیا۔ آنکھیں بند تھیں۔ فقط اللہ کے بھروسے پر آگے بڑھتا جا رہا تھا کہ اچانک ایک موجِ کرم میرے دامنِ طلب سے ٹکرائی۔ گھبرا کر میں نے آنکھ کھولی تو دیکھا کہ دامن بھی موتیوں سے بھرا تھا اور میں بھی کنارے لگ چکا تھا۔ موتی آپ کے سامنے ہیں

کہا ہمیں بھی تو بتاؤ کہ وجودِ باری پر تمہارے پاس کون سی دلیل موجود ہے۔ اقبال نے کہا کہ میں خدا کو خدا اس لیے مانتا ہوں کہ میں نے اس کے ہونے کا اعلان و اقرار ایک ایسے پاک شخص کی زبان سے سنا ہے جس کو دشمنوں نے ساحر، کاہن، جادوگر، دیوانہ، مجنوں تو کہا لیکن کسی دشمن کو بھی جرأت نہ ہو سکی کہ اسے جھوٹا اور کاذب کہہ سکے۔ تو جب اتنے سچے نے گواہی دی ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ تو اقبال بھی دل کی گہرائیوں سے کہتا ہے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ اسی لئے اقبال نے کہا ہے:

بمصطفٰی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

تو میں عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ دعوٰیٔ توحید پر اگر کوئی دلیلِ کامل ہے تو وہ ذاتِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

یوں تو کائنات کی ہر شے اس کے ہونے کی گواہی دے رہی ہے، جیسا کہ کسی عارف نے کہا۔

ہر کہ بینم در جہاں غیرے تو نیست،
یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو:

یا

تجلّی تری ذات کی سو بسو ہے،
جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تُو ہے

خواصِ طبع کی نفی سے استدلال

"بعض لوگوں کا خیال ہے کہ چیزوں کے طبعی خواص اور آثار ہوتے ہیں جو بغیر کسی سبب اور علت کے ان سے ظاہر اور صادر ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر پتھر کو اوپر پھینکیں تو وہ بغیر کسی سبب اور علت کے نیچے آگرے گا۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ یہ ساری کائنات بغیر کسی سبب اور علت کے اپنے طبعی خواص کی بنا پر وجود میں آئی ہو، جس کا جواب صاحب تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی" یوں دیتے ہیں کہ درخت کی طرف دیکھو اس کا تنا بھی لکڑی کا ہے اور جڑ بھی لکڑی

مقامِ کبریا کیا ہے؟

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ وَ نُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
اَمَّا بَعْدُ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ
الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ۔ صدق اللہ مولانا العظیم

حضرات:

مَیں نے جس آیت مبارکہ کو موضوعِ سخن بنانے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اس میں اللہ پاک نے اپنی الوہیت واحدیت کا اعلان بزبانِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کرایا ہے عشق ومحبت کی زبان میں یوں کہہ لیجئے کہ خدائے بزرگ وبرتر نے اپنا تعارف اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت سے کرایا ہے۔ ہماری اس مادی دنیا میں جب کوئی شخص کسی چیز کے بارے میں اعلان کرتا ہے تو اس کے اعلان پر اعتبار اس کی اپنی شخصیت کے معتبر ہونے کے حوالے سے کیا جاتا ہے یعنی اس کی اپنی ذات جتنی معتبر ہوگی اتنی ہی اس کی بات قابلِ اعتبار ٹھہرائی جائے گی۔ مذکورہ آیت میں اللہ پاک کی الوہیت واحدیت کا اعلان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا ہے۔ مگر مقامِ فکر یہ ہے کہ یہ اعلان اللہ پاک نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیوں کرایا۔ حالانکہ حکم ورضائے الٰہی تو یہ ہے کہ ہر کوئی اسے معبودِ حقیقی اور واحد ویکتا مانے۔ مگر یہاں صرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم فرمایا جارہا ہے کہ "تم فرماؤ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے" (ترجمہ اعلیٰ حضرت) اللہ اکبر۔ خدا کی ذات جب

کیا یہ رنگ زمین سے آیا۔ زمین کھود کر دیکھ لیں کہیں رنگ نظر نہیں آئے گا۔ پانی میں تھا نہیں پانی تو خود بے رنگ ہے تو کیا پانی اور مٹی مل جائیں تو یہ رنگ بنتے ھیں۔ ملا کر دیکھیں نہیں بنیں گے جس شاخ پر پھول کھلے اس کا سینہ چیر کر دیکھو تو کہیں بھی رنگ نیچے سے اوپر نہیں آ رہا ہے۔ کیا کسی انسان نے گلوں پہ رنگ چھڑکا نہیں اگر ایسا ہوتا تو کہیں تو کوئی چھینٹا یا قطرہ شاخ پر بھی ہوتا۔ تو پھر کس نے اتنی صفائی اور احتیاط سے رنگ صرف پتیوں پر چھڑکا تو ماننا پڑے گا کہ اسی ذات سبحان نے یہ سب رنگ بکھیرے ہیں جس کے فنِ تخلیق میں کسی قسم کا کوئی نقص اور عیب نہیں۔

(سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ)

وجود انسانی سے استدلال

اس کائنات میں بڑے بڑے مصوّر پیدا ہوئے۔ اپنے اپنے فن کا لوہا منوایا۔ کسی نے کاغذ پر تصویر بنائی۔ کسی نے پتھر پر تصویر بنائی۔ کسی نے لکڑی پر تصویر بنائی لیکن آج تک کوئی ایسا مصور بھی دکھا سکتے ہیں یا ثابت کر سکتے ہیں کہ جس نے پانی پر تصویر کشی کی ہو تو سوچیئے کہ رحم مادر میں ایک پانی کے گندے قطرے کو یہ حسن و جمال کس نے بخشا کہ جس کی چمک دیکھ کر نگاہیں خیرہ ہوتی ہیں تو کہنا پڑے گا۔ وہی ہے،

اَلَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ

بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا۔

یک بوند کراوں توں پیدا کیتا واہ قدرت سبحانی
ایہہ ماس تے ہڈیاں کتھوں لیونیں ایہہ بڑی حیرانی
وچ بولن والا کون رکھیو نی جیدھا رنگ نہ مول نشانی
بلھے شاہؒ کلبوت بندے دا وچ رلسی خاک نمانی

لاشوں کا انبار لگ جاتا ہے۔

پیارے تم اپنی زبان سے فرماؤ کہ میں ایک ہوں تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ جس کے پاؤں کی ٹھوکر سے مردے زندہ ہوتے ہیں جس کا ہاتھ اٹھ جائے تو سورج اپنا رخ موڑ لیتا ہے جس کی مقدس انگلی کا اشارہ پاکر چاند اپنا گریبان چاک کر دیتا ہے جس کے دستِ مقدس سے ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے جاری ہوتے ہیں جس کے رُخِ زیبا کی زیارت کرکے پتھر درود وسلام کے ہدیئے پیش کرتے ہیں جس کے پائے مقدس پر جانور سجدے کرتے ہیں جس کی بارگاہِ بیکس پناہ میں ہرنیاں اور چڑیاں فریاد کرتی ہیں، جب آپ کی رفعتوں اور شانوں کا مالک اپنی الوہیت کا نہیں میری الوہیت کا اعلان وا قرار کر رہا ہے تو بتوں کے پجاریو تم خود سوچو کہ تمہارے یہ بے جان بت خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ اس لئے محبوب تم فرماؤ کہ میں ایک ہوں کیونکہ تجھے میں نے اپنے ہونے کی سب سے بڑی دلیل بنایا ہے۔ اس کائنات میں میری سب سے بڑی اور ناقابلِ تردید دلیل تم ہو۔ (بقول شخصے)

سوچتی ہے دل میں دنیا مصطفےٰ کو دیکھ کر
وہ مصور کیسا ہوگا جس کی یہ تصویر ہے

انگریز فلسفی اور اقبالؒ

علامہ اقبالؒ جب یورپ میں تھے تو وہاں انگریز فلسفیوں نے ان پر سوال کیا کہ اقبال تم بھی بہت بڑے فلسفی ہو لیکن کیا وجہ ہے کہ تم ابھی تک خدا کو واحد و یکتا مانتے ہو جب کہ اکثر فلسفی ذاتِ احدیت کے منکر ہو جاتے ہیں کیا تمہارے پاس کوئی دلیل موجود ہے یا صرف اس لئے خدا کو خدا مانتے ہو کہ تمہارے والدین مانتے ہیں یا تمہارا قبیلہ مانتا ہے یا تمہارے ملک میں یہی مذہب ہے۔

اقبالؒ نے کہا کہ میں خدا کو خدا والدین، قبیلہ یا قومی اکثریت کی تصدیق و توثیق کی وجہ سے نہیں مانتا بلکہ میرے پاس وجودِ باری پہ ایک بہت بڑی ناقابلِ تردید دلیل ہے۔ انہوں نے

مَا عَبَدْنٰكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ ، مَا عَرَفْنٰكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ

دوستو! اس شان کبریائی و یکتائی کو دیکھ کر کیوں نہ کہیں،

هُوَ اللّٰهُ اَحَد

ڈارون کا باطل نظریہ!

نطفۂ انسان کا ایک قطرہ مختلف تخلیقی مراحل طے کرتا ہوا شکل انسانی میں ڈھل کر ماں کی گود کو آباد کرتا ہے. کیا مختلف تخلیقی مراحل کی یہ تمام منزلیں اس نے خود بخود طے کرلی ہیں؟ ہرگز نہیں کیونکہ اگر یہ انسان بن کر کسی عضو سے معذور ہوجائے تو اس کے لئے تو یہ بھی ممکن نہیں کہ خود بخود ٹھیک ہوجائے. تو جب یہ خود بخود ٹھیک نہیں ہوسکتا تو خود بخود بن کیسے سکتا ہے. ڈارون غلط کہتا ہے کہ انسان بندر سے بنا ہے. آخر وہ کون سا فارمولا تھا جس پر عمل کرکے آج سے ہزاروں سال پہلے بندر انسان بن گیا اور اب وہ فارمولا کہاں کھو گیا. کہ سائنس اپنی انتہائی ترقی کے باوجود بھی بندر سے انسان نہیں بنا سکی. تو ماننا پڑے گا کہ انسان کسی اتفاقی حادثہ کا نتیجہ نہیں بلکہ اس خالق دوجہان کی شان خالقیت کا عظیم شاہکار ہے.

ڈارون کے اس نظریئے پر کسی نے بہت خوب کہا:

کہا منصورؒ نے خدا ہوں میں
ڈارون بولا بوزنہ ہوں میں
ہنس کے کہنے لگے مرے اک دوست
فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مناظرہ

دور عباسیہ میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک دہریہ (خدا کے وجود کا منکر) سے مناظرہ ہوا موضوع مناظرہ یہ تھا کہ

کی صیں لیکن تنا اوپر کو جاتا ہے۔ اور جڑیں نیچے کو جاتی ہیں، اب اگر لکڑی کی طبیعت کا تقاضا اوپر جانا ہے تو جڑیں نیچے کیوں جاتی ہیں اور اگر اس کا تقاضا نیچے جانا ہے تو تنا اوپر کیوں جاتا ہے تو اس سے ثابت ہو گیا کہ لکڑی کی اپنی طبیعت کا تقاضا کچھ نہیں بلکہ اس پر کسی اور ذات کا تصرف ہے کہ جس نے جس حصے کو چاہا اوپر اٹھا دیا اور جس حصے کو چاہا نیچے جھکا دیا۔" کیونکہ اس کی شان یہی ہے۔ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ۔ (بروج آیت نمبر ۱۶)

ترجمہ: ہمیشہ جو چاہے کر لینے والا۔

شہتوت سے استدلال

"امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک شہتوت کے درخت کے سامنے کھڑے تھے کہ کسی نے وجودِ باری کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے فرمایا اس شہتوت کے درخت کو ہی دیکھ لو۔ اس کے پتے بکریاں کھائیں تو دودھ دیتی ہیں۔ ہرنی کھائے تو مشک نافہ حاصل ہوتا ہے ریشم کا کیڑا کھائے تو ریشم پیدا ہوتا ہے اور اگر ان پتوں کو شہد کی مکھی چاٹ لے تو شہد پیدا ہوتا ہے۔ اور ان چاروں اشیاء کے آثار اور حقائق مختلف ہیں۔ اور شہتوت کے پتوں کا تقاضا ایک ہی ہو سکتا ہے کیونکہ طبیعت واحدہ کا تقاضہ بھی واحد ہی ہوتا ہے تو اگر ان پتوں کی طبیعت کا تقاضہ دودھ ہے تو ریشم، شہد اور مشک کیسے حاصل ہوا۔ اور اگر تقاضا ریشم ہے تو مشک، شہد اور دودھ کیسے حاصل ہوا تو معلوم ہوا کہ ان پتوں کی طبیعت کا تقاضا کچھ نہیں بلکہ ان پر کسی اور ذات کا دستِ قدرت کارفرما ہے جس نے چاہا تو بکری کے پیٹ میں پتے بھیج کر دودھ پیدا فرما دیا۔ اور چاہا تو مکھی سے شہد کیڑے سے ریشم اور ہرن سے مشک پیدا کی" وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

پھولوں سے استدلال

رنگ برنگے پھولوں پر غور فرمائیں کہ ان کی نرم و نازک پتیوں میں کس نے رنگ بھرا ہے

ایک اور مقام پر فرمایا ہے

اگر ہوتا وہ مجذوب فرنگیؒ اس زمانے میں
تو اقبالؒ اس کو سمجھاتا مقام کبریا کیا ہے

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

ؔ مشہور مفکر نطشے

شانِ الوہیت بیان کرتے ہوئے میاں محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جے ہک مچھر دا پر بھیجے سارا عالم سنگے
ہرگز راس نہ ہوندا بھایا توجیوں کر ہیسی اگے

اتنا کم حد کر نہیں سکدے دانشمند سیانے
حکمت پاک حکیم سچے دی کون کوئی سمجھ جانے

تاریخِ انسانی کا مطالعہ کرو۔ کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ورسول تشریف لائے۔ جن میں بعض ایسے بھی تھے، جن کی دانائی اور عقل مندی کی گواہی آج بھی تاریخ میں حقائق کی شکل میں موجود ہے۔ ہر نبی اور رسول کا پیغام واعلان یہی رہا کہ لوگو ایک خدا کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہم سب اس کے بندے ہیں اور ہر نبی نے معصوم ہونے کے باوجود جس کی گواہی خود ان کے کردار وعمل نے دی بارگاہِ الٰہی میں اپنے آپ کو گنہگار کہا تو ماننا پڑے گا کہ کوئی ذات ایسی ہے جس کی بارگاہ میں یہ نیاز مندی دکھائی جا رہی ہے کوئی محبوبِ حقیقی اور مقصودِ حقیقی ہے جس کی ناز برداریاں کی جا رہی ہیں۔

میاں محمدؒ فرماتے ہیں۔

بادشاہاں دے شاہ اس اگے منہ ملن وچ خاکاں
او گن ہار کہایا اوتھے سچیاں صافاں پاکاں

نسلِ انسانی کے باپ حضرت آدم علیہ السلام اسی کی بارگاہِ صمدیت میں عرض کرتے ہیں۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔

حضرت یونس علیہ السلام فریاد کناں ہیں؛

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

عصمت وعفت کے پیکر تاجدارِ انبیاء واشک افشانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

گستاخی اور بے ادبی نہیں ہوتی۔ بازارِ اہلِ سنت میں عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سودا بکتا ہے۔ مدارسِ اہلِ سنت میں عظمتِ کبریائی و مصطفائی کے درس دیئے جاتے ہیں مساجد اہلِ سنت میں محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شمعیں سینوں میں فروزاں کی جاتی ہیں مجالسِ اہلِ سنت میں اذکارِ خدا و مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، اذکارِ اہلِ بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اذکارِ صوفیا رحمۃ اللہ علیہم و اولیا رحمۃ اللہ علیہم سے تشنگیٔ قلب و جگر کو اشک ہائے عقیدت سے بجھایا جاتا ہے۔ اس بازارِ عشقِ مصطفوی میں آپ کو ہر گاہک یہی کہتا ہوا نظر آئے گا کہ ؎

غلام مصطفےٰ بن کر میں بک جاؤں مدینے میں
انہی کے نام پر سودا سرِ بازار ہو جائے

ہمیں کسی کو بُرا بھلا کہنے کی ضرورت ہی نہیں اور نہ ہی ہمارے پاس اتنا وقت ہے کہ ہم کسی کو بُرا بھلا کہیں کیونکہ ہمیں تو ذکرِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرصت ہی نہیں ہمارے ہاتھ دعا کے لیے بھی جب بارگاہ ربُّ العزّت میں بلند ہوتے ہیں تو یہی آرزو زبان پر مچل جاتی ہے۔

میں سو جاؤں یا مصطفےٰ کہتے کہتے !
کھلے آنکھ صلِّ علیٰ کہتے کہتے !

غالباً کسی شخص نے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی سے پوچھا کہ کیا ہم یزید پر لعنت کر سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یزید کو جو عذاب و عقاب ہو رہا ہے وہ تو ہو رہا ہے۔ ہم وقت کیوں ضائع کریں جتنی دیر اس پر لعنتیں بھیجیں ہمیں اتنی دیر کیوں نہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کے پھول نچھاور کریں۔

اب آیئے جو آیتِ مبارکہ تلاوت کرنے کا شرف حاصل کیا ہے اس کے حوالے سے ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے قلوب و اذہان کو منور کریں۔ ارشادِ قدرت ہوتا ہے۔

اور پھر اتنے بڑے امام سے، دوست دشمن سب ہی آ گئے۔ دہریہ بھی آیا مگر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ وقت مقررہ سے کافی دیر کے بعد مجلس میں تشریف لائے۔ دہریہ نے پوچھا آپ نے اتنی دیر کیوں لگائی۔ آپ نے فرمایا بھائی اتفاق سے آج جنگل کی طرف چلا گیا تھا۔ وہاں ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس کو دیکھ کر میں حیرت میں کھڑا رہ گیا۔ اس نے پوچھا۔ جناب وہ کیا واقعہ تھا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ میں نے دیکھا کہ دریا کے کنارے پر ایک بہت بڑا درخت تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ درخت خود بخود کٹ کر زمین پر گرا پھر خود بخود اس کے تختے تیار ہوئے پھر وہ تختے خود بخود کشتی کی شکل میں جڑ گئے۔ پھر کشتی دریا میں جا پڑی اور ادھر کے مسافروں کو ادھر اور ادھر کے مسافروں کو ادھر لانے اور پار اتارنے لگی۔ دہریہ نے قہقہہ لگایا اور کہا کہ آپ جیسا امام اتنا بڑا جھوٹ بولتا ہے۔ بھلا یہ کام کہیں خود بخود ہو سکتے ہیں۔ جب تک کوئی کرنے والا نہ ہو۔ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ تمہارے نزدیک تو یہ زمین و آسمان یہ شمس و قمر اور یہ ساری کائنات بغیر کسی خالق کے بن گئے ہیں تو اگر کشتی کا خود بخود بن جانا ایک بہت بڑا جھوٹ ہے تو اس کائنات کا خود بخود بن جانا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ دہریہ یہ سن کر دم بخود ہو گیا۔ تھوڑی دیر حیرت زدہ رہ کر اپنے عقیدے سے تائب ہو کر مسلمان ہو گیا۔

قلندر لاہوری علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے ؎

تری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
مری نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا

وجود کیا ہے فقط جوہر خودی کی نمود
کر اپنی فکر کہ جوہر ہے بے نمود ترا

تیری ذات بنائی ہے۔ تو جب صفت رحمت کو فنا نہیں تو ذات رحمت کیسے فنا ہو سکتی ہے۔ اَرْسَلْنٰکَ ہم نے آپ کو بھیجا ہے یہ عظمتیں مرحمت فرمائی ہیں۔ نَا۔ یہ جمع کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے ہم۔ مگر اللہ تو ایک ہے پھر ہم کیوں کہا کہ ہم نے آپ کو رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ حکمت یہ ہے کہ بعض مرتبہ عربی میں جمع کا صیغہ اظہار شان کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے فرمایا کہ آپ کو یہ مقامات اور اختیارات جس رب نے عطا کئے ہیں وہ بڑی شانوں کا مالک ہے تو لوگو خود سوچو کہ جب اتنی بڑی شانوں والے نے اس ذات کو اپنی ذات کا مظہر بنالیا ہے تو وہ نبی واقعی اس قابل تھا تو ساری خدائی اس کے حوالے کردی۔ نبی تو اور بھی تھے کسی کو لَنْ تَرَانِی کہہ دیا کسی کو زمین آسمان کی بادشاہی کی سیر کرائی۔ لیکن بادشاہ خود سامنے نہ آیا کسی کو آگ سے آواز دی مگر خود دیدار نہ کرایا لیکن شب معراج حریم الوہیت میں یکس نازنین نے اپنا پائے مقدس رکھا کہ ذات احدیت نے صمدیت سے نقاب اٹھا کر سامنے آگئی ؎

جاگنے والے کو محروم تمنا رکھا
سونے والے سے کہا ساری خدائی تیری

اس لئے فرمایا اَرْسَلْنٰکَ کہ ہم نے تجھے رحمت بنا کے بھیجا ہے۔ پھر فرمایا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ جہانوں کے لئے رحمت۔ یہ نہیں فرمایا رَحْمَۃُ الْعٰلَمِیْنَ۔ کہ جہانوں کی رحمت۔ آپ غور فرمائیں تو جہانوں کے لیے رحمت اور جہانوں کی رحمت میں بہت فرق محسوس کریں گے، مثلاً عربی میں کہتے ہیں کِتَابُ زَیْدٍ یعنی زید کی کتاب، اس میں زید کا کتاب کا مالک ہونا ظاہر ہو رہا ہے۔ زید کی ملکیت ثابت ہو رہی ہے اور اگر یوں کہیں کِتَابٌ لِّزَیْدٍ تو کہیں گے زید کے لیے کتاب یعنی زید کے پڑھنے کے لئے کتاب ملکیت ثابت نہ ہوئی۔ اسی طرح اللہ پاک نے فرمایا وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ محبوب ہم نے آپ کو جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ جہانوں کی رحمت نہیں فرمایا۔ تا کہ کوئی گستاخ تیری رحمت پر اپنی ملکیت اور حق ثابت نہ کر سکے بلکہ تمام رحمتوں کا مالک و مختار تو خود ہے جسے چاہے عطا کرے جسے چاہے محروم کرے۔ اسی

مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا ہے

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ اَمَّا بَعْد
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ صَدَقَ اللّٰهُ
مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ

حضرات !

اللہ پاک کا بے شمار فضل وکرم اور انعام واحسان ہے کہ اس پاک پروردگار نے ہم سب کو اپنی اٹھارہ ہزار مخلوقات میں سے اشرف المخلوقات پیدا فرمایا۔ اور کرم بالائے کرم یہ فرمایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں پیدا فرما کر مسلکِ حق اہلِ سُنّت و جماعت پر گامزن رہنے کی توفیق عطا فرمائی۔ تاریخِ مسالک وادیان کا مطالعہ کرکے تقابل مسالک وادیان کریں تو آپ پر واضح ہو جائے گا۔ کہ خدائے بزرگ و برتر کی اس پاک دھرتی پر دینِ حق فقط اسلام ہے اور مسلکِ حق فقط اہلِ سُنّت وجماعت ہے۔ اسلامی تاریخ مسالک میں آپ کو سوا اہلِ سنت وجماعت کے ہر مسلک وفرقہ کسی نہ کسی ذاتِ اقدس کا گستاخ اور بے ادب نظر آئے گا کہیں عظمتِ کبریائی پر انگلی اٹھائی جا رہی ہوگی کہیں رفعتِ مصطفائی پر نکتہ چینیاں ہو رہی ہوں گی کہیں مقامِ صحابہ واہلِ بیت کو کم کیا جا رہا ہوگا اور کہیں مقامِ ولایت پر انگشت نمائی ہو رہی ہوگی لیکن مسلکِ اہلِ سنت وجماعت وہ واحد مقدس مسلک ہے کہ جہاں کسی بھی ذاتِ اقدس کی

تیری ذات بنائی ہے۔ تو جب صفتِ رحمت کو فنا نہیں تو ذاتِ رحمت کیسے فنا ہو سکتی ہے۔
اَرْسَلْنٰكَ ہم نے آپ کو یہ عظمتیں رحمت فرمائی ہیں۔ نَا۔ یہ جمع کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے ہم" مگر اللہ تو ایک ہے پھر "ہم" کیوں کہا۔ کہ ہم نے آپ کو رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ حکمت یہ ہے کہ بعض مرتبہ عربی میں جمع کا صیغہ اظہار شان کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے فرمایا کہ آپ کو یہ مقامات اور اختیارات جس رب نے عطا کئے ہیں وہ بڑی شانوں کا مالک ہے تو لوگو خود سوچو کہ جب اتنی بڑی شانوں والے نے اس ذات کو اپنی ذات کا مظہر بنایا ہے تو وہ نبی واقعی اس قابل تھا تو ساری خدائی اس کے حوالے کر دی۔ نبی تو اور بھی تھے کسی کو لَنْ تَرَانِیْ کہہ دیا۔ کسی کو زمین آسمان کی بادشاہی کی سیر کرائی۔ لیکن بادشاہ خود سامنے نہ آیا۔ کسی کو آگ سے آواز دی مگر خود دیدار نہ کرایا لیکن شب معراج حریم الوہیت میں یکس نازنیں نے اپنا پائے مقدس رکھا کہ ذاتِ احدیت رُخِ صمدیت سے نقاب اٹھا کر سامنے آگئی ؎

جاگنے والے کو محروم تمنا رکھا
سونے والے سے کہا ساری خدائی تیری

اسی لئے فرمایا اَرْسَلْنٰكَ کہ ہم نے تجھے رحمت بنا کے بھیجا ہے۔ پھر فرمایا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ جہانوں کے لئے رحمت، یہ نہیں فرمایا،
رَحْمَةُ الْعٰلَمِیْنَ۔ کہ جہانوں کی رحمت۔ آپ غور فرمائیں تو جہانوں کے لیے رحمت اور "جہانوں کی رحمت" میں بہت فرق محسوس کریں گے، مثلاً عربی میں کہتے ہیں کِتَابُ زَیْدٍ یعنی زید کی کتاب، اس میں زید کا کتاب کا مالک ہونا ظاہر ہو رہا ہے۔ زید کی ملکیت ثابت ہو رہی ہے اور اگر یوں کہیں کِتَابٌ لِّزَیْدٍ تو کہیں گے "زید کے لیے کتاب۔ یعنی زید کے پڑھنے کے لئے کتاب ملکیت ثابت نہ ہوئی۔ اسی طرح اللہ پاک نے فرمایا وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ محبوب ہم نے آپ کو جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ جہانوں کی رحمت نہیں فرمایا تاکہ کوئی گستاخ تیری رحمت پر اپنی ملکیت اور حق ثابت نہ کر سکے بلکہ تمام رحمتوں کا مالک و مختار تو خود ہے جسے چاہے عطا کرے جسے چاہے محروم کرے۔ اسی

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (الانبیا ۱۰۷) اور ہم نے محبوب آپ کو تمام جہانوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ یہ آیت عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یوں برملا اعلان کر رہی ہے کہ بیساختہ زبان سے نکل جاتا ہے۔ ؏

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر؛

شانِ کبریا کیا ہے؛ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اور شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہے؟ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ

آپ دونوں آیات کے آخری دو الفاظ پر غور فرمائیں۔ تو آپ دیکھیں گے کہ ان دونوں آیات میں شانِ ربوبیت و رسالت کا وہ بحرِ بیکراں موجزن ہے جس کا کوئی کنارہ نظر نہیں آتا عقل و فکرِ انسانی سربسجود ہو کر پکار اٹھتی ہے۔

محمد مصطفیٰ کی کنہ میں ادراک عاجز ہے
محمد کو خدا جانے خدا کو مصطفیٰ جانے

فرمایا محبوب میں جس طرح عالمین کا رب ہوں۔ اسی طرح تم عالمین کے لیے رحمت ہو جس طرح کوئی شئے میری ربوبیت سے باہر نہیں ہے محبوب اسی طرح کوئی شئے تیری رحمت سے باہر نہیں ہے جس طرح کوئی شئے میری ربوبیت سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح کوئی شئے تیری رحمت سے بے نیاز نہیں ہو سکتی جس طرح میں ربوبیت میں با اختیار ہوں اسی طرح تو شانِ رحمت میں با اختیار ہے۔ میں جس کو چاہوں رزق سے محروم کر سکتا ہوں تو بھی جس کو چاہے رحمت سے محروم کر سکتا ہے ۔اسی لئے فرمایا۔ اَرْسَلْنٰكَ کہ پیارے یہ تمام عظمتیں رفعتیں اور اختیارات دے کر ہم نے تجھے بھیجا ہے۔ تو دوٹوں کے ذریعے اس عہدے پر فائز نہیں ہوا کہ ووٹر جب چاہیں تجھ سے یہ عہدہ چھین لیں۔ پیارے تو فوجوں کے بل بوتے پر اس مقامِ رفیع پر براجمان نہیں ہوا کہ فوج بغاوت کر کے تجھ سے یہ شانیں چھین سکتی ہے۔ نہیں نہیں پیارے یہ سب کچھ تجھے اس قادر و قدیر پروردگار نے عطا کیا ہے جو نہ تو خود فانی ہے اور نہ کبھی اس کی عطائیں اور بخششیں فنا ہوتی ہیں۔ محبوب ہم نے رحمت تیری صفت نہیں رحمت

ہوں۔ میں تو مستغنی و بے نیاز ہوں۔ یہ خزانے بنائے اور بخشے بھی اس لئے ہیں کہ تو اپنے دروازۂ رحمت کے منگتوں کو صرف خیرات ہی نہیں جھولیاں بھی اپنی طرف سے دے تاکہ تیرے در پر آنے والا بھکاری منگتا اور سائل یہ کہتا جائے ؎

سدا وسدا رہوے تیرا دوارا یا رسول اللہ
جتھے ہوندا غریباں دا گذارا یا رسول اللہ

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

تیرے ٹکڑوں پہ پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا

تو میں عرض کر رہا تھا خدا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے کائنات آپ کے دروازے پر جھکتی ہے اور رحمتوں کے خزانے لوٹ رہی ہے۔ کتب احادیث پڑھ کے دیکھو تو آپ کو رحمت و سخاوتِ رسول کا پتہ چلے گا۔ اگر کوئی بیمار ہو جاتا ہے تو آپ کی بارگاہِ ناز میں شفا کا طالب ہوتا ہے۔ کسی کی آنکھ خراب ہو جاتی ہے تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ کسی کا بچہ مر جاتا ہے تو آپ کے دروازے پر صدائے کرم لگاتا ہے۔ انسان تو انسان ایک صحابی چڑیا کے بچے اٹھا لاتے ہیں۔ بارگاہِ نبوت میں پیش کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے غلام ذرا بالائے بام نظر اٹھا کر دیکھو ان کی ماں شکایت کر رہی ہے۔ ایک صحابی اپنے اونٹ پر زیادہ بوجھ لادتے ہیں۔ پھر اسے ذبح کرنے کا پروگرام بناتے ہیں تو اونٹ بابِ رسالت پر فریاد کناں ہوتا ہے۔ آخر ان جانوروں کو کس نے بتایا کہ مدینہ طیبہ میں تمہارے سبھی دکھوں اور پریشانیوں کا مداوا کرنے والا کریم موجود ہے۔ یہ سب اُسی پروردگار نے بتایا جس نے اپنے محبوب کریم کو یہ شان دے کر بھیجا۔ فرمایا اے کائنات میں رہنے والو۔ تم عالمِ بالا میں ہو یا عالمِ پست میں، عالمِ برزخ میں ہو یا عالمِ دنیا میں کہیں بھی ہو درِ کریم پر صدا لگا کر تو دیکھو، تمہاری ہر مشکل حل کر دی جائے گی۔ تمہاری بے چینیوں کو قرار آ جائیگا جہاں پکارو گے وہیں مرا یار آ جائے گا کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

کرم سب پر ہے کوئی ہو کہیں ہو
تم ایسے رحمۃ للعالمین ہو

نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وَاللّٰہُ یُعْطِیْ وَاَنَا قَاسِمٌ اللہ پاک نعمتیں عطا کرتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں۔ اللہ اکبر کیا عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ تمام مخلوق کو نعمتیں عطا تو رَبّ قدوس کر رہا ہے لیکن اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط و توسل سے عطا فرما رہا ہے اسی لئے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا مزے کی بات کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ ؎

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخِ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدّد کا

حرفِ مشدد وہ حرف ہوتا ہے جس پر تین ڈنڈوں والی شد (ّ) آئی ہو اور جس حرف پر یہ نشان آجائے اس کا تعلق اپنے سے ماقبل حرف سے بھی ہوتا ہے اور مابعد حرف سے بھی ہوتا ہے۔ مثلاً لفظ ہے "مُعَلِّمْ" لام پر شد ہے۔ لام کا تعلق اپنے سے ماقبل حرف "ع" سے بھی ہے اور مابعد حرف "م" سے بھی ہے۔ ایک طرف لام "ع" سے ملا ہوا ہے۔ دوسری طرف "م" سے ملا ہوا ہے۔ جوڑ بنا ئیں تو بھی لام دونوں کے ساتھ بولا جائے گا۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ بلا تشبیہ و مثال جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ایک طرف خالق سے ہے دوسری طرف مخلوق سے ہے۔ ایک ہاتھ دستِ طلب بن کر بارگاہِ رَبِّ ذوالجلال میں پھیلا ہے تو دوسرا ہاتھ دستِ رحمت بن کر ساری کائنات پر چھایا ہے اس ہاتھ سے رحمتیں لے رہے ہیں۔ اس ہاتھ سے رحمتیں بانٹ رہے ہیں۔ نہ دینے والا تھکتا ہے۔ اور نہ لے کر تقسیم کرنے والا تھکتا ہے تقسیم کرنے والا تھکے کیوں اور اکتائے کیوں۔ اس لئے کہ جو مزہ بار بار مانگنے اور بار بار جھولی بھرنے میں آتا ہے وہ تھکاوٹ اکتاہٹ تو ہونے ہی نہیں دیتا۔ جب کہ دینے والے نے اپنے محبوب کو خود یہ فرما رکھا ہے۔ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ کہ پیارے کوئی سائل تیرے دروازے سے خالی نہ لوٹے کیونکہ تو میرا محبوب ہے۔ میرے بھرے خزانوں کے ہوتے ہوئے اگر تیرا دامنِ سخاوت و کرم داغدار ہو جائے تو میں نے ان خزانوں کو کیا کرنا ہے۔ میں تو غنی عَنِ الْعٰلَمِیْنَ

ہوں۔ میں تو مستغنی و بے نیاز ہوں۔ یہ خزانے بنائے اور بھیجے ہی اس لئے ہیں کہ تو اپنے دروازہ رحمت کے منگتوں کو صرف خیرات ہی نہیں جھولیاں بھی اپنی طرف سے دے تاکہ تیرے در پر آنے والا بھکاری منگتا اور سائل یہ کہتا جائے ؎

سدا و سدا رہوے تیرا دوارا یا رسول اللہ
جتھے ہوندا غریباں دا گذارا یا رسول اللہ

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

تیرے ٹکڑوں پہ پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا

تو میں عرض کر رہا تھا خدا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ کائنات آپ کے دروازے پر جھکتی ہے اور رحمتوں کے خزانے لوٹ رہی ہے۔ کتب احادیث پڑھ کے دیکھو تو آپ کو رحمت و سخاوت رسول کا پتہ چلے گا۔ اگر کوئی بیمار ہو جاتا ہے تو آپ کی بارگاہِ ناز میں شفا کا طالب ہوتا ہے۔ کسی کی آنکھ خراب ہو جاتی ہے تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ کسی کا بچہ مر جاتا ہے تو آپ کے دروازے پر صدائے کرم لگاتا ہے۔ انسان تو انسان ایک صحابی چڑیا کے بچے اٹھا لاتے ہیں۔ بارگاہِ نبوت میں پیش کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے غلام ذرا بالائے بام منظر اٹھا کر دیکھو ان کی ماں شکایت کر رہی ہے۔ ایک صحابی اپنے اونٹ پر زیادہ بوجھ لادتے ہیں۔ پھر اسے ذبح کرنے کا پروگرام بناتے ہیں تو اونٹ بابِ رسالت پر فریاد کناں ہوتا ہے۔ آخر ان جانوروں کو کس نے بتایا کہ مدینہ طیبہ میں تمہارے سبھی دکھوں اور پریشانیوں کا مداوا کرنے والا کریم موجود ہے۔ یہ سب اسی پروردگار نے بتایا جس نے اپنے محبوب کریم کو یہ شان دے کر بھیجا۔ فرمایا اے کائنات میں رہنے والو۔ تم عالمِ بالا میں ہو یا عالمِ پست میں، عالمِ برزخ میں ہو یا عالمِ دنیا میں کہیں بھی ہو در کریم پر صدا لگا کر تو دیکھو، تمہاری ہر مشکل حل کر دی جائے گی۔ تمہاری بے چینیوں کو قرار آ جائیگا جہاں پکارو گے وہیں مرا یار آ جائے گا کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

کرم سب پر ہے کوئی ہو کہیں ہو
تم ایسے رحمۃ للعالمین ہو

نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وَاللّٰہُ یُعْطِیْ وَاَنَا قَاسِمٌ اللہ پاک نعتیں عطا کرتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں۔ اللہ اکبر کیا عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ تمام مخلوق کو نعمتیں عطا تو رَبِ قدوس کر رہا ہے لیکن اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط و توسل سے عطا فرما رہا ہے اسی لئے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا مزے کی بات کی ہے فرماتے ہیں۔ ؎

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل
خواص اُس برزخِ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدّد کا

حرفِ مشدّد وہ حرف ہوتا ہے جس پر تین ڈنڈوں والی شد (ّ) آئی ہو اور جس حرف پر یہ نشان آجائے اس کا تعلق اپنے سے ماقبل حرف سے بھی ہوتا ہے اور مابعد حرف سے بھی ہوتا ہے۔ مثلاً لفظ ہے "مُعَلَّم" لام پر شد ہے۔ لام کا تعلق اپنے سے ماقبل حرف "ع" سے بھی ہے اور مابعد حرف "م" سے بھی ہے۔ ایک طرف لام "ع" سے ملا ہوا ہے۔ دوسری طرف "م" سے ملا ہوا ہے۔ جوڑ بنا ہی تو بھی لام دونوں کے ساتھ بولا جائے گا۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ بلاتشبیہہ و مثال جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ایک طرف خالق سے ہے دوسری طرف مخلوق سے ہے۔ ایک ہاتھ دستِ طلب بن کر بارگاہِ رَبِ ذوالجلال میں پھیلا ہے تو دوسرا ہاتھ دستِ رحمت بن کر ساری کائنات پر چھایا ہے اس ہاتھ سے رحمتیں لے رہے ہیں۔ اس ہاتھ سے رحمتیں بانٹ رہے ہیں۔ نہ دینے والا تھکتا ہے۔ اور نہ لے کر تقسیم کرنے والا تھکتا ہے تقسیم کرنے والا تھکے کیوں اور اکتائے کیوں۔ اس لئے کہ جو مزہ بار بار مانگنے اور بار بار جھولی بھرنے میں آتا ہے وہ تھکاوٹ اکتاہٹ تو ہونے ہی نہیں دیتا۔ جب کہ دینے والے نے اپنے محبوب کو خود یہ فرما رکھا ہے۔ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ کہ پیارے کوئی سائل تیرے دروازے سے خالی نہ لوٹے کیونکہ تو میرا محبوب ہے۔ مرے بھرے خزانوں کے ہوتے ہوئے اگر تیرا دامنِ سخاوت و کرم داغدار ہو جائے تو میں نے ان خزانوں کو کیا کرنا ہے۔ میں تو غنیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْن

حضرت زید فرماتے ہیں آقا میں نے تو بد دعا کے لیے عرض کیا تھا آپ دعا فرما رہے ہیں۔
لب مصطفےٰ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم پر مسکراہٹ پھیل جاتی ہے ؎

یہ سن کر رحمت للعالمین نے ہنس کے فرمایا
کہ میں اس دھر میں قہر و غضب بن کر نہیں آیا

بارگاہ رب العزت میں عرض کرتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

اے بار الٰہا اس قوم کو ہدایت فرما کیونکہ یہ جانتے نہیں ہیں۔ کیا جانتے نہیں؟ یہی کہ یہ کس کو ستا رہے ہیں، کس کریم کا دل دکھا رہے ہیں جو غار کی خلوتوں میں ان کی بخشش کے لیے رو رو کر دعائیں مانگتا رہتا ہے جس کی شان کریمی کا اظہار خدائے لم یزل نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (توبہ ۱۲۹)

بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان (ترجمہ اعلیٰ حضرت)

محولہ بالا آیت کے آخر میں اللہ پاک نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جن دو اسماء گرامی کا ذکر کیا ہے وہ خود اللہ تعالیٰ کے بھی اسماء صفاتی ہیں چونکہ محبوب کی شانِ رحمت کا بیان مقصود تھا اس لیے ایسے اسما بیان فرمائے جن کا تعلق اپنی ذات سے بھی ہے تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ خدا نے اپنی صفات رؤف و رحیم کا اپنے محبوب کو مظہر اتم بنایا ہے ہماری نگاہیں اس قابل نہ تھیں کہ اللہ پاک کے ذاتی جلووں کو بے نقاب دیکھ سکتیں تو اس نے اپنے محبوب کو اپنے جلووں کا مظہر بنا دیا۔ فرمایا پیارے تو مسلم ہوگا، تیرا علم دیکھ کر لوگ مجھے علیم مانیں گے۔ تو کریم ہوگا تیرے کرم کو دیکھ کر مجھے کریم مانیں گے۔ تو رحیم ہوگا، تیری رحمت کو دیکھ کر مجھے رحمٰن مانیں گے کہ جس خدا کے رسول کی رحمتوں کا

شریک عیش و راحت سب ہیں لیکن
مصیبت کاٹنے والے تمہیں ہو

کفار کے لئے رحمت

اللہ پاک کے لاڈلے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم طائف کے بازاروں میں اعلائے کلمۃ الحق کے لئے تشریف لے جاتے ہیں۔ مکینانِ طائف، غنڈوں اور اوباشوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگا دیتے ہیں، کوئی بدبخت شانِ رسالت میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ کوئی ملعون پھول سے نازک جسدِ مبارک پر سنگ زنی کرتا ہے۔ ارے جس کے پائے مقدس کو چومنے کے لئے خدا کا عرش ترستا ہے۔ آج بازار طائف میں اس کی پنڈلیاں لہولہان کر دی گئیں۔ پاپوش مبارک میں خون جم گیا کہ اتارنے بھی مشکل ہو گئے۔

ایک باغ میں ایک درخت کے سائے میں تشریف فرما ہوتے ہیں۔ پردیس میں اپنے لاڈلے محبوب کو اس کسمپرسی کی حالت میں دیکھ کر خدائے قہار وجبار کو جلال آتا ہے جبرئیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملک الجبال حاضر ہے اگر حکم فرمائیں تو کوہسار طائف کو اٹھا کر شہر طائف پر گرا کر نیست و نابود کر دیا جائے۔ حضرت زید جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے بار بار عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین طائف کے لئے بددعا فرمایئے۔ تاکہ ان گستاخانِ نبوت کو پتہ چل جائے کہ کس کے محبوب کو چھیڑا ہے کس کے جبر و قہر کو آواز دی ہے۔ حضرت زید کی گزارش پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گورے گورے مبارک ہاتھ اٹھائے۔ زید خوش ہوئے کہ ابھی قہر خداوندی کی بجلی چمکے گی اور مکینانِ طائف کو تباہ و برباد کر دے گی مگر قربان جائیں سرکار دو عالم کی عالمگیر رحمت پر کہ بجائے بددعا کے

دعا مانگی الٰہی قوم کو چشمِ بصیرت دے
بچارے بے خبر، نادان ہیں نورِ ہدایت دے
الٰہی رحم کر کہسارِ طائف کے مکینوں پر
خدایا پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر

کر گردن مبارک پر نشان پڑ گیا۔ اس کے بعد اعرابی نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) میرے ان دونوں اونٹوں کو مال سے لاد دو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش بیٹھے رہے۔ اور صرف یہی فرمایا۔ کہ اے اعرابی آپ سے اس زیادتی کا بدلہ لیا جائے گا۔ اس نے کہا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ کیونکہ آپ برائی کا برائی کے ساتھ بدلہ نہیں دیا کرتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے۔ اور حکم دیا کہ اس کے ایک اونٹ پر جو اور دوسرے پر کھجوریں لاد دو۔ (شفا شریف جلد اول)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسی زیادتی کا بدلہ کبھی نہیں لیا جس کا تعلق آپ کی ہی ذات سے ہو۔ ہاں محارم الٰہی کا معاملہ الگ ہے۔ آپ نے کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا ماسوائے میدانِ جہاد کے اور اپنے کسی خادم یا ازواجِ مطہرات میں سے کسی کو کبھی نہیں پیٹا۔ (شفا شریف جلد اول)

مکہ شریف میں ایک بوڑھی عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھایا کرتی تھی۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو وہ کانٹے بچھا رہی تھی۔ آپ نے پوچھا: بوڑھی اماں! یہاں کانٹے کیوں بچھا رہی ہو۔ وہ کہنے لگی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے) مجھے ابوجہل نے دو وقت کی روٹی کا کہا ہے۔ اور یہ کام ذمے لگایا ہے کہ میں محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے راستے میں کانٹے بچھایا کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک کانٹا بھی لگ گیا ہے۔ آپ کی رحمت نے گوارا نہ کیا۔ فرمایا! اماں برتن مجھے دو میں کانٹے بچھا دیتا ہوں۔ وہ آپ کو پہچان نہ سکی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مقدس سے لکڑیں اوپر کر کے کانٹے بچھائے جب کانٹے بچھا چکے تو فرمایا اماں کہو تو میں جوتا اتار کر ان کانٹوں پر چلوں۔ بوڑھی نے کہا بیٹا سدا سکھی رہو یہ کانٹے تو میں نے محمد (بن عبداللہ) صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بچھائے ہیں۔ حضور رحمۃ للعالمین نے فرمایا! اماں مجھے معاف کرنا میں وہی محمد ہوں جس کے لیے کانٹے بچھا رہی ہو۔ بوڑھی قدموں میں گر پڑی اور جو عداوت کے کانٹے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بچھا رہی تھی وہ محبت کے کانٹے بن کر اپنے دل میں پیوست ہو گئے رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

شریکِ عیش و راحت سب ہیں لیکن
مصیبت کاٹنے والے تمہیں ہو

کفار کے لئے رحمت

اللہ پاک کے لاڈلے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم طائف کے بازاروں میں اعلائے کلمۃ الحق کے لئے تشریف لے جاتے ہیں۔ مکینانِ طائف، غنڈوں اور اوباشوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگا دیتے ہیں۔ کوئی بدبخت شانِ رسالت میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ کوئی ملعون پھول سے نازک جسدِ مبارک پر سنگ زنی کرتا ہے۔ ارے جس کے پائے مقدس کو چومنے کے لئے خدا کا عرش ترستا ہے۔ آج بازار طائف میں اس کی پنڈلیاں لہولہان کر دی گئیں۔ پاپوش مبارک میں خون جم گیا کہ اتارنے بھی مشکل ہو گئے۔

ایک باغ میں ایک درخت کے سائے میں تشریف فرما ہوتے ہیں۔ پردیس میں اپنے لاڈلے محبوب کو اس کسمپرسی کی حالت میں دیکھ کر خدائے قہار و جبار کو جلال آتا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام حاضرِ خدمت ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملک الجبال حاضر ہے اگر حکم فرمائیں تو کوہسار طائف کو اٹھا کر شہر طائف پر گرا کر نیست و نابود کر دیا جائے۔ حضرت زید جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے بار بار عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکینِ طائف کے لئے بددعا فرمایئے۔ تاکہ ان گستاخانِ نبوت کو پتہ چل جائے کہ کس کے محبوب کو چھیڑا ہے کس کے جبر و قہر کو آواز دی ہے۔ حضرت زید کی گذارش پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گورے گورے مبارک ہاتھ اٹھائے۔ زید خوش ہوئے کہ ابھی قہرِ خداوندی کی بجلی چمکے گی اور مکینانِ طائف کو تباہ و برباد کر دے گی مگر قربان جائیں سرکارِ دوعالم کی عالمگیر رحمت پر کہ بجائے بددعا کے ؎

دعا مانگی الٰہی قوم کو چشمِ بصیرت دے
بچارے بے خبر، نادان ہیں نورِ ہدایت دے
الٰہی رحم کر کہسارِ طائف کے مکینوں پر
خدایا پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر

یہ سن کر بوڑھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر گر پڑی۔ رو کر عرض کرتی ہے،

دے جے توں محمد ایہو جیا تتی میں کیہڑا اس کے آئی آں دے
کریں کرم میں سوہنیا تدھ آتے بیچے دلوں ایمان لے آئی آں دے!

غزوۂ احد اور شانِ رحمت

روایت ہے کہ غزوۂ احد کے روز جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے اور آپ کا رُخ زیبا زخمی ہوا۔ تو صحابہ کرام کو اس واقعہ سے بہت ہی صدمہ پہنچا وہ بارگاہِ رسالت میں بصد عجز و نیاز عرض گذار ہوئے کہ یا رسول اللہ کفار کی تباہی اور بربادی کے لئے دعا فرما دی جائے۔ قربان جائیں اس وقت بھی پیکرِ رحمت نے یہی جواب دیا کہ میں تو مخلوقِ خدا کو حق کی دعوت دینے کے لئے آیا ہوں۔ میں ان پر عذاب لانے کے لئے تو نہیں آیا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کی یا اللہ میری قوم کو ہدایت دے دے۔ یہ لوگ مجھے پہچانتے نہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اس موقع پر انہوں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ایسے موقع پر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے کہا تھا:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا

(نوح آیت نمبر ۲۶)

"اے رب زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ"

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی قوم کے لیے ایسی دعا فرما دیتے تو کوئی بھی بچنے نہ پاتا۔ حالانکہ انہوں نے آپ کو زخمی کیا۔ آپ کے روئے انور کو خون آلودہ کیا آپ کے دندان مبارک کو شہید کیا۔ اس کے باوجود آپ نے اُن کی ہلاکت کے لئے دعا مانگنے سے انکار فرمایا بلکہ بارگاہِ خداوندی میں یوں دست بہ دعا ہوئے۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

یہ عالم ہے اس کی اپنی رحمتوں کا عالم کیا ہوگا۔ محبوب تیری معرفت سے میں پہچانا جاؤں گا جس نے نے تجھے پالیا وہ مجھے بھی پالے گا جو تجھے نہ پاسکا وہ مجھے پانے سے ہمیشہ محروم رہے گا۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

دور نکل آیا ہوں عرض کر رہا تھا کہ:

اللہ کریم نے محبوب کو رؤف و رحیم اور رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔

یہ شانِ رحمت ہی تھی کہ ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی الٰہی اگر میں نے کسی کے نقصان یا کسی پر لعنت کے لئے دعا کی ہے تو اسے نفع اور رحمت میں بدل دے۔

(شفا شریف جلد اول)

ایک غزوہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے کہ اچانک غورث بن حارث ارادۂ قتل سے آپ کے پاس آپہنچا صحابۂ کرام ادھر ادھر آرام کر رہے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو دیکھا کہ ایک آدمی ہاتھ میں ننگی تلوار لئے کھڑا ہے۔ غورث نے کہا بتاؤ اب میرے وار سے تمہیں کون بچائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"اللہ" اتنا سنتے ہی اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تلوار اٹھائی اور فرمایا کہ اب تو بتا تجھے کون بچائے گا۔

وہ بولا۔ آپ بہتر قابو پانے والے ہیں۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا قصور معاف فرما دیا اور اسے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ غورث جب اپنی قوم میں واپس لوٹا تو کہنے لگا کہ میں ایک بہترین انسان کے پاس سے آرہا ہوں اور تمام واقعہ سنایا۔ (شفا شریف جلد اول)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا

ترجمہ :۔ تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم اُن کے لئے نرم دل ہوئے۔ اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے تو تم انہیں معاف فرماؤ اور ان کی شفاعت کرو اور کاموں میں ان سے مشورہ کرو،

(ترجمہ اعلیٰ حضرتؒ)

اگر کوئی شخص آپؐ کی دعوت کرتا تو آپ رد نہیں فرماتے تھے، ہدیہ خواہ کتنا ہی کم ہوتا۔ آپ اسے قبول فرمانے سے انکار نہیں فرماتے تھے اور اس کے برعکس ہدیہ دینے والے کو نوازتے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دس سال تک بارگاہِ رسالت میں خادم رہا۔ اس دوران آپ نے کبھی مجھے اُف تک نہ فرمایا۔ جب میں نے کوئی کام کیا تو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے فلاں کام کیوں نہ کیا۔ (شفا شریف)

الغرض زندگی کے ہر مرحلے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شانِ رحمت کا اظہار فرماتے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ کے انتہائی سخت لمحات میں جب حق و باطل کی تلواریں ٹکرا رہی ہوتیں۔ تیروں کی بارش ہو رہی ہوتی تو ہم اس وقت بھی اگر پناہ ڈھونڈتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامانِ کرم میں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جانتے تھے کہ جب اس دامانِ کرم میں چھپے ہوئے مجرم کل میدانِ حشر میں جہنم سے بچ جائیں گے تو آج ہم میدانِ جنگ میں اس کریم کے قدموں میں آ کر تلواروں سے کیوں نہیں بچ سکتے۔

اے کاش! ہمیں بھی آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جگہ نصیب ہو جائے

اٰمِیْن یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْن

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

ترا کرم جو شہِ ذی وقار ہو جائے
گدائے خاک نشیں تاجدار ہو جائے

کرشمے ان کی کریمی کے دیکھتے ہوں اگر
گناہ گار ذرا شرم سار ہو جائے

مکہ تشریف ہی کا واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جا رہے تھے آپ نے دیکھا ایک بوڑھی عورت سامان کی گٹھڑی اٹھا کر راستے میں کھڑی ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ کسی کا انتظار کر رہی ہے۔ آپ قریب تشریف لے گئے۔ فرمایا اماں کہاں جا رہی ہو اور کس کا انتظار کر رہی ہو۔ وہ آپ کو پہچان نہ سکی کہنے لگی بیٹا کیا بتاؤں۔ یہاں مکہ میں ایک جادوگر ہے (نعوذ باللہ) سنا ہے نگاہوں سے شکار کرتا ہے جس کو نظر بھر کر دیکھتا ہوں وہ اپنا پرانا مذہب چھوڑ دیتا ہے کتنے بڑے بڑے بت گروں کو اس نے بت شکن بنا دیتا ہے۔ اس کی نگاہوں کا وہ نشہ چڑھتا ہے کہ دنیا کی کوئی ترشی اسے اتار نہیں سکتی۔

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا

بیٹا! میں بھی ڈرتی ہوں کہ کہیں اس کی نگاہوں کی زد میں نہ آجاؤں اور کہیں اپنے باپ دادا کا مذہب چھوڑ کر گمراہ نہ ہو جاؤں۔ مکہ چھوڑ کے جا رہی ہوں یہاں کھڑی کسی کا انتظار کر رہی ہوں۔ ہو سکتا ہے کوئی میری گٹھڑی اٹھالے اور مجھے میری منزل تک پہنچا دے۔ حضور مسکرائے، فرمایا اماں لایئے گٹھڑی میں اٹھا کر آپ کو منزل تک چھوڑ آتا ہوں۔ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم گٹھڑی اٹھا کے ساتھ چل پڑے۔ آقا مجھے کہنے دو کہ آج قدسیانِ فلک بھی دیکھ اٹھا کر کہہ رہے تھے کہ اے بوڑھی! آج تجھے وہ منزل ضرور مل جائے گی کہ جس پر پہنچ کر پھر کہیں اور سفر کرنے کی حاجت ہی نہیں رہتی۔ چلتے چلتے ایک ڈیرہ آگیا۔ بوڑھی نے کہا بیٹا گٹھڑی اتار دو یہی میری منزل ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گٹھڑی اتار دی اور فرمایا اماں! اب مجھے اجازت ہے کیا میں جا سکتا ہوں۔ بوڑھی نے کہا بیٹا سدا سکھی رہو، آباد رہو۔ ذرا قریب ہو کر میری ایک نصیحت سن لو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قریب ہوئے بڑھیا نے کہا!

بک مت میری رکھیں یاد چیتاں پچھاں پرت کے فا نہ کھا جاویں
بچیا رہیں محمد ہاشمی توں اوہدے جال شعرتے نہ آ جاویں

کملی والے آقا مسکرا پڑے۔

اگوں پتا حضور جواب دتا نہ ای بچنی والا آس توں تھاں میرا
جیس توں ڈردیاں توں پردیس آیوں میں ہاں او ہو جکدے نام میرا

پر بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

آیت کا پہلا لفظ "قل" ہی منکرینِ سنت کے خود ساختہ عقائد کی دھجیاں اڑا رہا ہے کیونکہ قل کا لفظ پڑھتے ہی انسان سمجھ جاتا ہے کہ اللہ پاک کا خطاب کسی کتاب کو نہیں بلکہ کسی ذی روح چیز کو ہو رہا ہے اگرچہ خدا کی ذات اس بات پر قادر ہے کہ کسی بے جان چیز کو "قل" فرما کر خطاب کرے اور وہ خطاب سنے لیکن یہاں فَاتَّبِعُوْنِیْ کا لفظ لفظِ قل کے مخاطب کی حیثیت واضح کر رہا ہے جس سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ہو رہا ہے ارشاد ہوا:

محبوب تم فرما دو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اب پیروی یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کی جائے گی یا آپ کی سیرت کا مطالعہ کر کے کی جائے گی جسے ہم دوسرے لفظوں میں سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہہ سکتے ہیں تو ثابت ہوا کہ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے خواہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی حیاتِ ظاہرہ میں آپ کی زیارت کر کے کی جائے یا وصال شریف کے بعد سنت کا مطالعہ کر کے کی جائے۔ اب جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ سنت پر عمل تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں ہی فرض تھا بعد میں نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ قرآن و حدیث کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس لئے قیامت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی پیروی کی جائے گی۔

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رسولِ رحمت بنایا ہے۔

اگر کوئی عالم رہ جاتا تو شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید اس عالم کے لیے کوئی اور نبی یا رسول رحمت بنا کر بھیج دیا جائے۔ لیکن یہاں تو آپ کا رحمۃ للعالمین ہونا اتنا واضح ہے کہ کسی شبے کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔

یا اللہ میری قوم کو ہدایت عطا فرما یہ جانتے نہیں ہیں۔ (شفا شریف)

یہی وجہ تھی کہ آپ کا سخت سے سخت دشمن بھی جب آپ کی شانِ رحمت کا مظاہرہ دیکھ
…یتا تو مسلمان ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

خدا تعالیٰ نے چونکہ ذاتِ مصطفوی کو رحمت بنایا تھا اس لئے انتہائی مشکل حالات میں بھی
…شانِ رحمت میں کوئی فرق نہیں آتا تھا بلکہ دریائے رحمت میں اور طغیانی آجاتی تھی۔ غزوۂ بدر میں
…کفار کے قیدی مدینہ پاک لائے گئے۔ مسجدِ نبوی کے پاس ہی انہیں ٹھہرایا گیا اُن میں چونکہ کچھ زخمی بھی
…تھے جو درد سے کراہ رہے تھے۔ صحابۂ کرام فرماتے ہیں کہ رات حضور کبھی دائیں کروٹ بدلتے کبھی بائیں
…کروٹ بدلتے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں
…کیا وجہ ہے طبعِ مبارک مضطرب کیوں ہے۔ پیکرِ رحمت و کرم نے جواب دیا۔ قیدیوں کی چیخیں مجھے
…سونے نہیں دیتیں۔ جاؤ اور اُن کی رسیاں ڈھیلی کردو۔ اللہ اکبر! یوں محسوس ہوتا ہے رحمت کی بارش ہو
…رہی ہے جو نہ گلشن کو محروم کرتی ہے نہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں کو۔ سب پر برابر برستی ہے۔
…ایسی شانِ رحمت کو دیکھ کر دلو رام کوثری ہندو نے کہا تھا ؎

کچھ عشقِ محمد میں نہیں شرطِ مسلمان
ہیں کوثری ہندو بھی طلبگارِ محمدؐ

ابنِ ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی توصیف میں فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
…ہمیشہ پھول کی مانند کھلے رہتے تھے خوش خلق اور نرم دل تھے۔ آپ بد اخلاق، سخت دل، بازاروں
…میں اونچا بولنے والے، بدکلامی کرنے والے، دوسروں پر نکتہ چینی کرنے والے اور چاپلوس بالکل نہیں
…تھے۔ جس چیز کی ضرورت نہ ہوتی آپ اس کی طرف مطلق توجہ نہیں فرماتے تھے کوئی سائل
…آپ کے دربارِ گہربار سے خالی ہاتھ نہیں لوٹتا تھا اللہ کریم نے آپکے یہ اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا
غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ
وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران ۱۵۹)

انبیائے سابقین جن شریعتوں اور اسوۂ ہائے زندگی کو لے کر آتے رہے وہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط نہ تھے۔

مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تجرّد کی زندگی گزاری اور ازدواجی سیرت کے لیے ان کی زندگی میں کوئی نمونہ نہ تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے شاہی زندگی گزاری ہے اور فقر کے لیے ان کی زندگی میں کوئی اسوۂ نہیں۔ اسی طرح سابقہ شریعتوں میں سیاست اور عبادت کا الگ الگ نظام تھا۔ یہ سب جزوی شریعتیں تھیں۔ اس لیے ایک جامع اور کامل نبی کی ضرورت تھی جس کی سیرت میں انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے لیے ہدایت ہو۔ قیامت تک پیش آنیوالے حالات اور مسائل میں کوئی مسئلہ نہ ہو مگر اس نبی کی شریعت میں اس کے لیے راہنمائی موجود ہو اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اس شریعت کو کامل اور مکمل کر دیا۔

کامل اور مکمل ہونے کے یہی معنی ہیں کہ انسانی ضروریات کے لیے وحی کے ذریعے جتنی ہدایات دی جاسکتی تھیں وہ سب دی جا چکی ہیں اس کے بعد بھی اگر وحی کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا جائے تو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دین ابھی کامل اور مکمل نہیں ہوا۔

پہلے زمانہ میں جب انبیاء کے آنے کا سلسلہ جاری تھا ایک نبی آتا اور بعض امور کے لیے ہدایات جاری کر دیتا اور کچھ امور رہ جاتے اور پھر دوسرا نبی آتا اور بعض احکام جاری کرتا لیکن ضابطۂ اخلاق و عادات ادھورا ہی رہ جاتا۔ اس لیے ایک ایسے نبی کی ضرورت تھی جس کے وجود سے ادھورے اخلاق پورے ہو جائیں اور نا تمام نظام مکمل ہو جائے حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور دین و دنیا کا ایک ایسا کامل نظام پیش فرمایا جس میں ایک عالم سے لے کر عابد تک سپاہی سے لیکر سپہ سالار تک ارتاجر سے لے کر قاضی تک سب کے لیے ہدایت ہے۔ اگر تخت سلطنت پر بیٹھنے والا حاکم یہ

اتباعِ مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

الحمدللہ رب العلمین۔ الصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؁

(آل عمران۔ ۳۱)

صدق اللہ مولٰنا العظیم

حضرات گرامی!

اللہ پاک کی کتاب سے جو الفاظ تلاوت کرنے کی سعادت حاصل کی ہے ان میں خدائے بزرگ و برتر نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو اپنی محبت کی ضمانت قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"اے محبوب تم فرما دو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ۔ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت کریمہ میں اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

پر فائز ہو جاؤ گی۔

فَاتَّبِعُوْنِیْ۔ پس میری پیروی کرو کس کام میں؟ ہر اس کام میں جو میں کروں اور جس کا حکم دوں۔

یہی وجہ ہے کہ پوری کائنات میں جن کے نصیب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی تھی۔ انہوں نے کما حقہٗ پیروی کی اور جن وانس کے علاوہ جن کا ماننا نہ ماننا مشیتِ ایزدی کی بے شمار حکمتوں پر مبنی تھا اور تقضائے الہٰی کے تابع تھا، ہر شئے نے آپ کی اطاعت کی۔

یہاں میں کتب احادیث سے چند واقعات پیش کرتا ہوں جس سے واضح ہو جائے گا کہ ہر شئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مطیع ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کے بارے میں جیسا چاہا ویسی ہو گئی۔

تری نگاہ سے سب کی نجات ہو کے رہی!
تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی!
کہا جو شب کو کہ دن ہے تو دن نکل آیا
کہا جو دن کو کہ شب ہے تو رات ہو کے رہی

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں وعظ فرما رہے تھے ایک اعرابی کھڑا ہو گیا اور بارگاہِ رسالت صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کرتا ہے۔

هَلَكَتِ الْاَمْوَالُ وَالْاَوْلَادُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

یا رسول اللہ اموال واولاد ہلاک ہو گئے۔ بارش کے لئے دعا فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ اچانک بادل آیا اور بارش شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ مسجد کے چھت سے پانی ٹپکنے لگا اور صحابہ کرام کے کپڑے بھیگ گئے۔ لگاتار چھ دن بارش ہوتی ہے۔ پھر جمعہ کا دن آیا تو وہی اعرابی کھڑا ہو گیا اور عرض کرنے لگا۔

یا رسول اللہ اب تو ہمارے کچے مکان گر رہے ہیں۔ دعا فرمائیں کہ بارش رُک جائے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک اٹھدئے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فرمایا:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ ہ

فرمایا:

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا

فرمایا:

وَمَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً

فرمایا:

اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔

مذکورہ آیاتِ مقدسہ اور احادیثِ مبارکہ سے واضح ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور قیامت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی پیروی کی جائے گی۔

"اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں جس قدر چیزیں پیدا فرمائی ہیں اُن کو تدریجاً اپنے طبعی کمال تک پہنچایا ہے۔ جب تک کوئی شے اپنے کمالِ طبعی تک نہیں پہنچتی اس وقت تک متغیر و متبدل ہوتی رہتی ہے اور جب وہ ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی اپنے منتہائے کمال تک پہنچ جاتی ہے تو آخر عمر تک وہ اسی مرتبے پر رہتی ہے۔ اور اس میں کوئی اضافہ اور ترقی نہیں ہوتی اسی ہنج پر اللہ تعالیٰ نے نظامِ شریعت قائم کیا۔

شرائع اور احکام کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر ارتقائی منازل طے کرتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ کر اپنے منتہائے کمال تک آ پہنچا۔ اس طرح رسالت، نبوت اور شریعت کی جس قدر اصطلاحیں تھیں، وہ سب آپ پر ختم ہو گئیں۔ اور آپ کے بعد ان میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔

اُحُدٌ جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَ نُحِبُّہٗ

اُحد ایک پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں تو جب محب پر محبوب نے خرام ناز کیا تو محب مست ہوکر جھومنے لگا۔ ؎

اُن کا خرام ناز بھی ہے میکدہ بدست
جس سمت چل دیئے ہیں ادھر بے خودی ہوئی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پائے مبارک پہاڑ پر مارا اور فرمایا :

اُثْبُتْ اُحُد فَاِنَّمَا عَلَیْکَ نَبِیٌّ وَ صِدِّیْقٌ وَ شَہِیْدَانِ

(بخاری ومسلم)

اُحد رُک جا کہ تم پر نبیؐ، صدیق اور دو شہید ھیں۔

اللہ اکبر۔ اس حدیث پاک سے جہاں حاکمیت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم واضح ہوتی ہے وہیں علم مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہو رہا ہے حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما ابھی زندہ موجود ھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے فرما رہے ہیں

شَہِیْدَانِ۔

اسے ہی ہم اہل سنت وجماعت علم غیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ھیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی بنی عامر بن صعصعہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا میں کیسے مان لوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛

اگر میں اس شاخ شجر کو اپنے پاس بلا لوں تو کیا میری رسالت تسلیم کرو گے۔

اس نے عرض کیا ، کیوں نہیں :

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاخ شجر کو بلایا تو وہ درخت سے اتر کر دوڑی ہوئی آ گئی۔

فخر کرتا ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا پیروکار ہوں، تو ایک مزدور بھی سینہ تان کر کہہ سکتا ہے کہ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا پیروکار ہوں۔ انسانی اخلاق کے وہ تمام شعبے جو آپ کے آنے سے پہلے نامکمل تھے۔ آپ کے آنے سے تمام اور کامل ہو گئے اسی لئے آپ نے فرمایا۔

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔

میں اس لئے آیا ہوں کہ ادھورے اخلاق کو پورا کر دوں پہلے نبیوں کی سیرت میں حیاتِ انسانی کا کوئی حصہ رہ جاتا تھا جسے پورا کرنے کے لیے دوسرے نبی آتے تھے اگر آپ کی زندگی میں بھی کوئی خلا ہوتا تو اسے بھی پورا کرنے کے لیے بعد میں کوئی نبی آتا۔ لیکن آپ نے ایسی جامع اور کامل زندگی گذاری ہے کہ اس میں بعد میں آنے والے کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی اور اب اگر آپ کے بعد کوئی شخص کسی کی نبوت کو تجویز کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کی سیرت کے تمام اور کامل ہونے پر ایمان نہیں رکھتا۔" (اقتباس از مقالاتِ سعیدی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی کاملیت و اکملیت کی بنا پر خلاقِ دو جہاں نے آپ کی زبانِ حق ترجمان سے یہ اعلان کروایا۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ۔

کہ اے میرے محبوب فرما دو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ وہ کون ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا کہ میری پیروی کرو۔ ان کا ذکر نہیں فرمایا جس میں حکمتیں یہ ہیں کہ محبوب تم تو ساری کائنات کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہو اور تم میرے محبوب ہو، ساری کائنات مراد کر اور مجھ سے محبت کرتی ہے۔

جیسا کہ فرمایا:

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔

تو پیارے تم صرف انسانوں سے نہیں پوری کائنات کی ہر شے سے فرما دو کہ اگر اللہ سے محبت ہے، تو میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو اور اگر تم نے میری اطاعت و اتباع کی تو تمہیں مقامِ محب سے اٹھا کر مقامِ محبوب پر فائز کر دیا جائے گا، کیونکہ میں تمہارے محبوب کا محبوب ہوں۔ اس لئے تم بھی میری اداؤں کو ادا کر کے اور میرے حکم کو مان کر مقامِ محبوبیت

یہ کہ اگر ہاتھ پاؤں چومنا شرک ہوتا یا پاؤں چومنا سجدہ تصور کیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پاؤں کبھی نہ چومنے دیتے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے سجدہ کرنے سے منع فرما دیا کہ یہ خدا کے سوا کسی کو جائز نہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ہمارے ہاں ایک وحشی جانور تھا جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے جاتے وہ کھیلتا کودتا ہوا چلا جاتا اور پھر واپس آجاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد مکان میں آکر بیٹھ جاتا اور جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں رہتے کوئی حرکت نہ کرتا۔

اللہ اکبر کبیرا حرکت کیسے کرتا اس لئے کہ وہ جانتا تھا سے

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر !

نفس گم کردہ می آمد جنید و بایزید ایں جا

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی محفل میں جلوہ گر تھے کہ بنی سلیم کا ایک اعرابی آیا۔ اس نے ایک گوہ شکار کی تھی۔ اس اعرابی نے کہا لات وعزیٰ کی قسم میں اس وقت تک آپ پر ایمان نہ لاؤں گا جب تک یہ گوہ گواہی نہ دے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم گوہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

فرمایا! اے گوہ میں کون ہوں۔

گوہ نے فصیح عربی میں کہا!

لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ يَا رَسُوْلَ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

آپ نے اُس سے پوچھا تو کس کی عبادت کرتی ہے، اس نے کہا!

اَلَّذِیْ فِی السَّمَآءِ عَرْشُهٗ وَفِی الْاَرْضِ سُلْطَانُهٗ وَ فِی الْبَحْرِ سَبِيْلُهٗ وَ فِی الْجَنَّةِ رَحْمَتُهٗ وَ فِی النَّارِ

ابھی باہر زمینوں میں بارش کی ضرورت ہے۔ آقا دعا فرمائیں مدینہ کی آبادی سے بادل ہٹ جائیں۔ باہر زمینوں پر بارش ہوتی رہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشتِ شہادت سے فضائے مدینہ پر ایک دائرہ کھینچا اور فرمانے لگے۔

اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا

"اے اللہ ہمارے اردگرد بارش برسے، اوپر نہ برسا"۔ پھر کیا تھا کہ مدینہ پاک پر دھوپ نکلی تھی اور زمینوں پر بارش ہو رہی تھی ؎

تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

اس روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت ظاہر ہو رہی ہے جو اللہ پاک کی بارگاہ میں آپ کو نصیب ہے۔ آپ ہی نے بارش ہونے کے لئے دعا کی اور آپ ہی کی دعا سے بارش رکی۔ ایک ہفتہ تک مسلسل بارش ہوتی رہی۔ رکی نہیں۔ اس کی کیا وجہ تھی۔ وجہ یہ تھی کہ خدا کی ذات عظمت حبیب کو واضح فرمانا چاہتی تھی، کہ جس پیارے کی دعا سے بارش بھیجی ہے۔ اسی محبوب کی دعا سے بند ہو گی کیونکہ آسمانی فیصلے بھی اس کی خوشی کے مطابق کئے جاتے ہیں جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے۔

کُلُّھُمْ یَطْلُبُوْنَ رِضَائِیْ وَاَنَا اَطْلُبُ رِضَاکَ یَا مُحَمَّد

پیارے! سب میری رضا چاہتے ہیں اور میں تیری رضا چاہتا ہوں۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ؎

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد

شیخین نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جبل احد پر چڑھے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے۔ پہاڑ متزلزل ہوا۔ آؤ مجھے کہنے دو پائے نبوت کو چوم کر پہاڑ کو وجد آ گیا کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آفتاب کو حکم دیا تو وہ دن کی ایک ساعت ٹھہرا رہا۔

سبحان اللہ کیا خوب کسی نے کہا ہے ؎

اللہ اللہ شاہ کونین جلالت تیری
فرش کیا عرش پہ جاری ہے حکومت تیری

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک تھکے ہوئے اونٹ کو رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلکا سا کوڑا مار دیا تو وہ اتنا تازہ دم اور تیز ہو گیا کہ حضرت جابر سے اس کی باگ سنبھالی نہیں جاتی تھی۔ اسی طرح آپ نے حضرت جعیل اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کو چابک مار دیا تھا جو ان کے پاس تھا اور اسے برکت کی دعا دی تھی تو وہ اتنا نشاط و سرور میں آ گیا کہ قابو میں نہیں آتا تھا اور اس کے ذریعے اتنے بچے پیدا ہوئے جو بارہ ہزار دینار کے فروخت ہوئے۔ (کتاب الشفاء)

اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کو جا رہے تھے تو راستے میں ایک عورت ملی جس کے کندھے پر ایک بچہ تھا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو آپ کھڑے ہو گئے۔ اس عورت نے عرض کی۔

یا رسول اللہ علیہ وسلم یہ میرا بچہ ہے جب سے یہ پیدا ہوا ہے اسے کوئی چیز دبا لیتی ہے جس سے اسے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے بچے کو لے کر اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈال دیا اور فرمایا:

اے اللہ کے دشمن نکل جا۔ میں اللہ کا رسول ہوں۔ پھر آپ نے بچہ ماں کو دے دیا اور فرمایا۔ اب اسے کچھ نہیں ہوگا۔

جب ہم واپسی پر اسی جگہ سے گزرے تو وہی عورت ایک بھنی ہوئی بکری لائی اور کہنے لگی۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہی ہوں جو اس دن بچے کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب وہ بچہ کیسا ہے؟ کہنے لگی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ابونعیم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ شاخ آپ کو سجدہ کر رہی تھی اور پھر آپ کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا واپس چلی جا تو وہ واپس چلی گئی۔ اور اعرابی یہ دیکھ کر پکار اٹھا۔

اَشْھَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

بزار اور ابونعیم نے بریدہ سے روایت کی ہے۔ کہ ایک اعرابی حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ مجھے کچھ دکھلا دیں تا کہ میرے یقین میں اضافہ ہو۔ پوچھا کیا دیکھنا چاہتے ہو۔ اس نے کہا آپ اس درخت کو اپنی بارگاہ میں بلایئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم جاؤ اور اسے میرا حکم دو کہ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاتے ہیں۔ اعرابی درخت کے پاس پہنچا اور اس سے کہا تمہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلاتے ہیں۔ وہ درخت ایک طرف جھکا اور اس کی جڑیں علیحدہ ہو گئیں۔ دوڑتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور السلام علیک یا رسول اللہ کہا۔ گویا آپ کی رسالت کی گواہی دی۔

یہ دیکھ کر اعرابی نے کہا کہ مجھے کافی ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت سے فرمایا۔ واپس چلا جا چنانچہ درخت واپس جا کر اپنی جگہ پر جم گیا۔

اعرابی نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے سر مبارک اور پاؤں مبارک کو بوسہ دوں آپ نے اجازت دے دی۔ اور اس نے آپ کے سر اور پاؤں کو بوسہ دیا۔ اس نے کہا مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو سجدہ کروں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدا کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کیا جا سکتا۔

(الخصائص الکبریٰ)

اس روایت سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ ہاتھ پاؤں چومنا جائز ہے۔ دوسری

پڑھا بے زبانوں نے کلمہ تمہارا
ہے سنگ و شجر میں بھی چرچا تمہارا

یہ تھے اُن بے شمار واقعات میں سے چند واقعات جن سے کتبِ حدیث بھری پڑی ہیں ان واقعات سے واضح ہوگیا کہ فَاتَّبِعُوْنِیْ کا امر صرف جنوں اور انسانوں کو نہیں بلکہ پوری کائنات مراد ہے۔ کیونکہ اتباع کا جو اصطلاحی معنی امام ابوالحسن الامدی نے بیان کیا ہے اس میں اطاعت بھی ہے اور محبت بھی فرماتے ہیں۔

واما المتابعة فقد تكون فی القول وقد تكون فی الفعل والترك فاتباع القول هو امتثاله علی الوجه الذی اقتضاه القول والاتباع فی الفعل هو التأسی بعینه والتأسی ان تفعل مثل فعله علی وجهه من اجله۔

ترجمہ:

متابعت کبھی کسی کے قول کی ہوتی ہے اور کبھی کسی کے فعل و ترک کی۔ کسی کے قول کے اتباع کا معنی تو یہ ہے کہ اپنے متبوع کی اس طرح فرمانبرداری کی جائے جس طرح اس کے قول کا تقاضا ہو اور کسی کے فعل کے اتباع کا معنی یہ ہے کہ اس کے اس فعل کو اس طرح کیا جائے جس طرح وہ کرتا ہے اور اس لئے کیا جائے کیونکہ وہ کرتا ہے۔ (الاحکام فی اصول الاحکام)

اب ایک طرف لفظِ اتباع کی معنوی وسعتیں نگاہ میں رکھئے اور دوسری طرف مذکورہ واقعات تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ خدا کی ہر مخلوق (جس میں جنات، فرشتے، انسان حیوان، نباتات اور جمادات سب شامل ہیں) نے اپنے اپنے حسبِ حال حضور سلطانِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و احکام کی اطاعت و اتباع کی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ محبوب فَاتَّبِعُوْنِیْ کہو اور ساتھ کسی ایک مخلوق کا ذکر نہ کرنا کہ انسانو، یا جنات تم میری پیروی کرو۔ بلکہ تم صرف امر کرو کہ فَاتَّبِعُوْنِیْ تاکہ کائنات کی ہر شے تیری بارگاہِ ناز میں سرِ تسلیم خم کردے تو چاند کو اشارہ کرے تو اپنا سینہ چاک کردے۔

پھر آپ نے اس سے پوچھا میں کون ہوں۔ اس نے عرض کی۔

اَنْتَ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ صَدَّقَكَ وَ قَدْ خَابَ مَنْ كَذَّبَكَ

یہ سن کر اعرابی مسلمان ہو گیا۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آغوش میں سر مبارک رکھ کر سو گئے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابھی عصر کی نماز ادا نہیں کی تھی اور آفتاب غروب ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے دیکھا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مغموم ہیں۔ پوچھا علی کیا بات ہے۔ عرض کی آقا عصر کی نماز فوت ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ كَانَ فِیْ طَاعَتِكَ وَ طَاعَةِ رَسُوْلِكَ فَارْدُدْ عَلَیْهِ الشَّمْسَ۔

اے اللہ علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا۔ سورج لوٹا دے تاکہ علی نماز پڑھ لے۔ اسی وقت آفتاب پھیر دیا گیا حضرت علی نے نماز پڑھ لی تو دوبارہ غروب ہوا۔

(الخصائص الکبریٰ)

اس روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا اللہ پاک کی اطاعت ہونا ثابت ہوا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کی اطاعت میں تھے۔ آپ کے آرام کے لئے نماز کو قربان کر دیا لیکن نماز خدا کی تھی جو ترک کر دی۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے اللہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیری اور تیرے حبیب کی اطاعت میں تھا تو معلوم ہوا کہ اللہ کی اور حضور کی اطاعت ایک ہی چیز ہے۔ جیسا کہ خود قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

کہ جب میرا رؤف الرحیم نبی اپنی بارگاہ کے ہر مجرم کا ہر جرم معاف کر دیتا ہے تو میں تو غفور و رحیم رب جلالہٗ میں اپنے محبوب کے غلاموں کے تمام گناہ کیسے معاف نہیں کروں گا۔ جب کہ رَحْمَتِی وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ میری رحمت ہر شے سے وسیع ہے۔

دُعا فرمائیں اللہ پاک ہم سب کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت و اتباع کی توفیق عطا فرمائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ہمارے تمام گناہ معاف فرمائے۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

جس دن سے آپ نے اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا ہے اس دن سے پھر اسے تکلیف نہیں ہوئی اور نہ ہی وہ مکروہ چیز اس کی طرف آئی۔ (شواہد النبوۃ)

اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے اسیم بکری کی ایک دستی مجھے دے دو۔ میں نے دی تو فرمایا۔ ایک دستی اور دے دو میں نے پھر دی تو آپ نے کھالی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دستی اور دو۔ اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بکری میں دو دستیوں سے زیادہ نہیں ہوتیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم یہ نہ کہتے میرے مانگنے پر دستیاں دیتے جاتے تو کبھی ختم نہ ہوتیں۔ اس کے بعد فرمایا:

جاؤ باہر جاکر دیکھو رفع حاجت کے لئے کوئی جگہ ہے؟ میں باہر آیا تو بہت دور تک کوئی جگہ نہ ملی، ہر جگہ لوگ دکھائی دیتے تھے۔ میں نے واپس آکر عرض کی۔ آقا مجھے تو کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آئی۔ آپ نے فرمایا، تمہیں کہیں کوئی درخت یا پتھر بھی نظر آیا۔ میں نے عرض کی جی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کھجور کے تین درخت بھی ہیں اور ان کے پاس ہی کچھ پتھر بھی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان درختوں اور پتھروں کو جاکر کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اکٹھے ہو جاؤ تاکہ آڑ بن جائے۔ میں نے ویسا ہی کیا تو خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ وہ درخت اپنی جڑوں سمیت اپنی جگہ سے چل کر باہم مل گئے۔ پتھر اور درخت اس طرح بلند ہوئے اور مل کر ایک دیوار بن گئے۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی پھر پانی کا لوٹا لے جاکر وہاں رکھ دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فراغت کے بعد وضو فرما کر واپس خیمہ میں تشریف لائے تو مجھے فرمایا درختوں اور پتھروں کو کہہ دو اپنی اپنی جگہ واپس چلے جائیں۔ میں نے جب ایسا کہا تو درخت اور پتھر اپنی اپنی جگہ پر واپس چلے گئے۔

(شواہد النبوۃ)

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ۔

قربان جائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں کے، اللہ نے فرمایا:

مومنو! میں نے تم پہ وہ احسان کیا ہے جس کا بدلہ نہیں دیا جا سکتا۔ ذرا سوچو تو سہی تمہاری مادی دنیا میں کوئی کسی کو اپنا محبوب دیتا ہے؟ لوگ اپنی جانیں اور مال تو قربان کر دیتے ہیں مگر اپنا محبوب کوئی نہیں دیتا۔ میں نے تو تمہیں اپنا محبوب دے دیا ہے۔ اور محبوب بھی وہ دیا ہے جو اپنے نور سے پیدا کیا ہے۔ کوئی کسی غیر کو محبوب بنالے اگرچہ خون کا رشتہ نہ بھی ہو تو وہ محبوب نہیں دیتا۔ مجھے دیکھو میں نے تو تمہیں وہ محبوب عطا کیا ہے جو مجھ ہی سے ہے یعنی میرے نور سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار انعامات سے نوازا ہے لیکن خصوصی طور پر جس احسان وانعام کا ذکر فرمایا وہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ فرمایا میں نے مومنوں پر احسان کیا ہے اور اخلاقی اصول یہ ہے کہ جس پر احسان کیا جائے وہ اپنے محسن کا شکریہ ادا کرے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ربیع الاول شریف کا چاند نکلتا ہے تو تمام مومن اپنے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر خوشیاں مناتے ہیں۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ایک ایسا احسان ہے جس احسان کی وجہ سے اور جس احسان کے صدقے میں اللہ تعالیٰ نے ہم پہ باقی تمام احسانات فرمائے ہیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم باعثِ تخلیق کائنات ہیں۔ اگر آپ کو پیدا نہ کیا جاتا تو کائناتِ ارضی وسماوی کا کوئی ذرّہ بھی وجود میں نہ آتا۔ یہ اوجِ فلک یہ چہرۂ نیلفام پہ چمکتا ہوا آفتاب یہ دمکتا ہوا مہتاب، یہ ستاروں کے چلتے کارواں، یہ زمین کی وسعتیں، یہ پہاڑوں کی بلندیاں یہ سمندروں کی گہرائیاں، یہ گردشِ لیل ونہار، یہ موت وحیات کے سلسلے تمام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین پاک کے تصدق میں اپنی اپنی ڈگر پر چل رہے ہیں۔ تو جس کی وجہ سے یہ سب کچھ کرم نوازی ہو رہی ہے اس احسانِ عظیم کی آمد پر مومن کیوں نہ خوش ہوں جب کہ احسان ہوا بھی مومنوں پہ ہے۔ حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا مزے کی بات فرمائی ہے۔

نثار تری چہل پہل پہ ہزاروں عیدیں ربیع الاول
سوائے ابلیس کے جہاں میں سبھی تو خوشیاں منا رہے ہیں۔

شیطان کے سوا ساری کائنات آمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر مسرور وشاداں ہے اس کی

سورج کو اشارہ کرے تو رُک جائے، پتھروں کو اشارہ کرے تو تجھ پر درود و سلام کے گلہائے عقیدت نچھاور کرے، درختوں کو اشارہ کرے تو زمین پھاڑتے ہوئے حاضر ہو جائیں، جانوروں کو اشارہ کرے تو تیری بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر تیری عظمت و رسالت کے نعرے لگائیں، بادِ نسیم تیری کاکل پیچاں کو لہراتی رہے۔ بہاریں تیرے گھر کا طواف کرتی رہیں، قمریاں تیرے عشق کے نغمے الاپتی رہیں بلبلیں تیری محبت کے گیت گاتی رہیں، جنات تیری چاکری کرتے رہیں۔ انسان تیری نوکری کرتے رہیں اور قدسیانِ فلک تیرے پائے مقدس سے اڑنے والی دھول میں غسل کرتے رہیں، تاکہ ان کی پاکیزگی و طہارت کی قسمیں کھائی جاتی رہیں۔

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ کی تفسیر میں علماء نے لکھا ہے کہ ہر وقت سینکڑوں فرشتے سلطانِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے حفاظتی دستے کے طور پر مامور تھے۔

اللہ اکبر کبیرا۔

اس لئے اللہ پاک نے فرمایا محبوب فَاتَّبِعُوْنِیْ کہو۔

اور پھر اپنی اتباع کرنے والوں کو ساتھ ہی خوشخبریاں بھی دے دو کہ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ

پہلی خوش خبری تو ہے کہ تم خدا کے محب ہی نہیں محبوب ہو جاؤ گے۔

وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ

اور دوسری خوش خبری یہ ہے کہ وہ تمہارے تمام گناہ معاف کر دے گا۔ "تمام گناہ معاف کردے گا"۔ ترجمہ اس لئے کیا کہ اللہ پاک پہلے فرما چکا ہے۔ کہ میں تم سے محبت کروں گا یعنی میرے محبوب بن جاؤ گے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ پاک کا محبوب بھی ہو اور سارے گناہ بھی معاف نہ ہوئے ہوں۔

پھر فرمایا،

وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

اور تیسری خوش خبری یہ ہے کہ یقین کر لو کہ تمام گناہ بخش دیئے گئے کیونکہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ رؤف الرحیم حضور کی شان میں فرمایا اور غفور الرحیم اپنی شان میں فرمایا جس میں یہ حکمت پوشیدہ ہے

ہم اہلِ سنت وجماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق مانتے ہیں۔ بشر مانتے ہیں لیکن اشرف المخلوقات، انسانوں میں سب سے افضل اور بشروں میں ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے بھی افضل مانتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے بقول نصیر گولڑوی دامت برکاتہم العالیہ

وہ بشر ہیں مگر صرف بشر ہی تو نہیں

یہ فرق مسئلۂ نور و بشر میں رکھیئے!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف بشر نہ کہو کیوں کہ آپ کو صرف بشر کہنا آپ کی توہین ہے جبکہ قرآن مجید آپ کا مِنَ اللّٰہِ نور ہونے کا اعلان بھی فرما رہا ہے۔ یہ ایک الگ موضوع ہے انشاء اللہ تعالیٰ کسی اور نشست میں اس پر سیر حاصل گفتگو کروں گا۔ یہاں میں صرف اس شک کو رفع کرنا چاہتا ہوں جو عام طور پر ہم پر کیا جاتا ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کے برابر مانتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ھذہٖ العقیدہ الفاسدۃ۔

مجھے ایک دوست کہنے لگے آپ اہلِ سنت وجماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا سے ملا دیتے ہیں میں نے کہا بھائی ہم گنہگار کون ہوتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا سے ملانے والے سورۃ الاسراء پڑھ کے دیکھو خدا خود بلا کے ملتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا سے نہیں ملاتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو خدا سے ملاتے ہیں پھر حضور خدا سے جدا کب ہیں کہ کوئی انہیں ملائے۔

حضرت حسن رضا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

تم ذاتِ خدا سے نہ جدا ہو نہ خدا ہو

اللہ ہی کو معلوم ہے کیا جانیئے کیا ہو!

اللہ اکبر، عظمتِ مصطفےٰ بیان کرتے کرتے کہاں سے کہاں نکل آیا، پھر آیت پڑھتے ہیں فرمایا
لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلاً۔
تحقیق اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان کیا کہ ان میں شان والا رسول مبعوث فرمایا۔
میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مَنَّ وہ احسان ہوتا ہے جس کا بدلہ نہ دیا جا سکے حضور صلی اللہ علیہ

میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْہِمْ رَسُوْلًا
صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمِ۔

حضرات:

جو آیۂ کریمہ آپ کی خدمت میں تلاوت کرنے کا شرف حاصل کیا ہے اس میں اللہ پاک نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک بطورِ احسان فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے بتحقیق اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا کہ اُن میں شان والا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمایا۔ اللہ پاک نے یہاں اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مَنّ فرما کر سرکار کا ذکر بطورِ احسان فرمایا لیکن آیت میں مَنّ کا لفظ استعمال فرمایا۔ اَحسن کا لفظ استعمال نہیں فرمایا علماء فرماتے ہیں کہ ان دونوں الفاظ کے معنی میں فرق ہے وہ یہ کہ احسان وہ ہوتا ہے جس کا بدلہ دیا جا سکے لیکن مَنّ وہ احسان ہے جس کا بدلہ کبھی نہ دیا جا سکے گا۔ قرآنِ پاک میں فرمایا

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (رحمٰن)

"نیکی کا بدلہ کیا ہے مگر نیکی"۔ یعنی نیکی کا بدلہ نیکی ہے، تو معلوم ہوا احسان وہ ہوتا ہے جس کا بدلہ دیا جا سکے۔

وہی سب سے افضل آیا

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بحرِ عمیق میں استغراقی کیفیت دیکھئے: فرماتے ہیں۔

ارے اے خدا کے بندو کوئی میرے دل کو ڈھونڈو!
میرے پاس تھا ابھی تو ابھی کیا ہوا خدایا
نہ کوئی گیا نہ آیا

پھر جب حال، قال کی طرف لوٹتا ہے تو آواز آتی ہے۔

ہمیں اے رضا ترے دل کا پتہ چلا بمشکل
درِ روضہ کے مقابل ہمیں وہ نظر تو آیا
یہ نہ پوچھ کیسا پایا

اللہ اکبر کبیراً۔ "یہ نہ پوچھ کیسا پایا" اس مصرع میں عقیدت و محبت کا جو سمندر موجزن ہے وہ اہلِ دل پر عیاں ہے۔ مردہ دل لوگ ان وجدانی کیفیتوں کا ادراک نہیں کر سکتے۔ خدا کرے ہمیں بھی عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت نصیب ہو جائے۔ ہمارے دل بھی زندہ ہو جائیں۔ آج جو ہمارے نوجوان سینما ہالوں، کلبوں، تھیٹروں اور فحاشی کے اڈوں پر جا کر اپنے مضطرب دلوں کے لیے تسکین تلاش کرتے ہیں۔ وی سی آر پر ننگی تصویریں دیکھ کر قلبی پریشانیوں کو دور کرنے کا سامان کرتے ہیں خدا کی قسم اگر ان کے شکستہ ساز دل پر عشق و محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نغمے چھیڑے جائیں تو انہیں وہ سکون نصیب ہو گا کہ کائنات کی کوئی بو قلمونی اور کوئی رنگینی انہیں اپنی طرف مائل نہیں کر سکے گی۔ پھر وہ کنجڑیوں کے بازار میں بھی بھول کر جا نکلے تو ان کی زبان پر یہی ہو گا ؎

رُخِ مصطفیٰ وہ کتاب ہے جو محبتوں کا نصاب ہے!
یہی میرے پیشِ نظر رہے یہی رات دن میں پڑھا کروں

کشتۂ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب فرماتے ہیں ؎

وجہ بھی بیان فرمائی کہ ؎

زمانے بھر کا یہ قاعدہ ہے کہ جس کا کھانا اسی کا گانا
تو نعمتیں جس کی کھا رہے ہیں اسی کے ہم گیت گا رہے ہیں۔

دوستو! جب ربیع الاول کا چاند نکلے تو بارہ ربیع الاول شریف کو گلیوں میں شہروں کی سڑکوں پر پھر کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کرو کہ وہ کون لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان کیا ہے چہروں کو ہی دیکھ کر پتہ چل جائے گا کہ آمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کون خوش ہوا ہے اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد پر مومن خوشیاں کیوں نہ منائیں جس کی آمد پر خود ربِ ذوالجلال نے رحمتوں کی بارشیں نازل کی ہیں

آج جو لوگ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسوں اور جلوسوں کو شرک و بدعت کہہ کر اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں انتشار پیدا کر رہے ہیں۔ خدا کے لئے ذرا سوچیں تو سہی کہ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم شرک پھیلاتا ہے یا مٹاتا ہے۔ ہم لوگ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر جشنِ میلاد منا کر شرک کے امکانات ہی مٹا دیتے ہیں۔ اور اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ نبی خالق نہیں مخلوق ہے۔ اگر ہم نبی کو خالق سمجھتے تو آپ کا میلاد نہ مناتے۔ ہمارا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد منانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ہم حضور کو مخلوق مانتے ہیں۔ لیکن یہ بات مت بھولیئے کہ ؎

مخلوق میں شامل ہیں مگر سب سے جُدا ہیں
قرآن جو کہتا ہے کہ وہ نورِ خدا ہیں

صاحبِ قصیدہ بُردہ امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دَعْ مَا ادَّعَتْہُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّہِمْ
وَ احْکُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِیْہِ وَ احْتَکِمْ

یعنی اس بات کو چھوڑ دے جو نصاریٰ نے اپنے نبی کے بارے میں کہی (کہ انہیں خدا بنا دیا) صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نہ کہو۔ خدا کے بعد جو کہو وہ حق ہے ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

تھا گویا سورج آپ کے روئے انور میں تیر رہا ہے۔

شاعر رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے ہیں ۔

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَیْنِیْ

وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے حسین میری آنکھ نے کبھی کسی کو نہیں دیکھا۔ آپ جیسے جمال والا بیٹا کسی ماں نے جنم ہی نہیں دیا۔

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ كُلِّ عَیْبٍ

كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَآءُ

آپ ہر عیب اور ہر نقص سے مبرا اور پاک پیدا کئے گئے۔ گویا کہ آپ یوں پیدا کئے گئے جیسے آپ کی مرضی تھی۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس شعر میں ایک لطیف نکتہ ہے عرض کردوں۔ پہلے عرض کرتے ہیں کہ آپ کو آپ کی مرضی پر پیدا کیا گیا۔

اب دیکھئے اگر اللہ پاک ہمیں یہ طاقت عطا فرما دے کہ ہم اپنی مرضی کے مطابق پیدا ہوں اور شکل وصورت اپنی مرضی کے مطابق اختیار کریں تو یقیناً ہو سکتا ہے کہ جو شکل ہم اپنی خواہش کے مطابق اختیار کریں وہ شکل چند لوگوں کو تو پسند ہو چند کو پسند نہ ہو۔ ہزاروں نقص نکالے جائیں۔ کوئی کہے ناک زیادہ پتلی ہوگئی ہے کوئی کہے آنکھیں زیادہ بڑی ہوگئی ہیں۔ الغرض کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی شخص ضرور نقص نکالے مگر قربان جائیں خواہشِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ بقول حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس طرح چاہا پیدا ہوئے لیکن کسی کی کیا مجال کہ اس پیکر حسن وجمال میں کہیں کوئی نقص رکھ سکے۔

تو معلوم ہوا کہ ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی کوئی نقص نہیں خواہشِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی کوئی نقص نہیں۔

بقول اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ۔

وسلم کو ایسا احسان کہ جس کا بدلہ نہیں دیا جا سکتا۔ کہتے ہیں کیا حکمت ہے۔ حکمت یہ ہے کہ احسان کا بدلہ دو طرح سے دیا جا سکتا ہے یا تو اسی قسم کا احسان کر کے یا اس سے بہتر احسان کر کے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں جو احسان اللہ نے ہم پر کیا ہے اس کا بدلہ کبھی نہیں دیا جا سکتا کیونکہ نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کوئی ہے نہ آپ سے بہتر۔ ہمارے معاشرے میں جس شخص کا اخلاق اور سیرت اچھی ہوا سے فرشتہ کہہ دیتے ہیں جو اس کے لیے باعث عزت ہوتا ہے لیکن اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتہ کہیں تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے۔ کیونکہ فرشتے تو فرشتے، فرشتوں کے سردار بھی حضور کی سرکار میں بھیک مانگتے نظر آتے ھیں۔

میں نے کہیں پڑھا ہے کہ ایک دن حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چکی چلاتے چلاتے تھک گئیں چھوڑ کر محو استراحت ہو گئیں جب بیدار ہوئیں تو دیکھا تمام دلنے پسے ہوئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی تو معلوم ہوا کہ فرشتے آئے تھے۔ باقی دلنے انہوں نے پیس دیئے۔

سبحان اللہ جس رسول کی یہ شان ہو اس کا بدل کیا چیز ہو سکتی ہے۔

ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جبرئیل بتاؤ ہم کیسے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے جو عرض کی اس کا ترجمہ کسی نے اشعار میں کیا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی۔

آفاقہا گردیدہ ام   مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام؛   لیکن تو چیزے دیگری

یا بقول اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلی رحمۃ اللہ علیہ سے

یہی بولے سدرہ والے   چمن جہاں کی تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے   ترے پائے کا نہ پایا
تجھے یک نے یک بنایا!

عظمت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کو کس پیارے انداز میں بیان فرماتے ہیں کہ:

وہ کنواری پاک مریمؑ   وہ نفخت فیہ کا دم
ہے عجب نشان اعظم   مگر آمنہؓ کا جایا

انہیں مائیں سمجھتے رہوگے تب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتوں اور شفقتوں کا حصہ ان
مقدس ماؤں کے توسط و توسل سے تمہیں بھی ملتا رہے گا۔ کیونکہ یہ مومنوں کی مائیں ہیں اور
میرا محبوب مومنوں پر احسان ہے تو جس وقت تک ان ماؤں کے قدموں میں مؤدب بیٹھ کر
اپنے مومن ہونے کا ثبوت فراہم کرتے رہوگے۔ اس وقت تک تم پر میرے احسان کا ابر رحمت
چھایا رہے گا۔ خبردار کہیں بھول کر بھی ان کی بے ادبی کا ارتکاب نہ کر بیٹھنا۔ اگر ایسا کیا تو ایمان سلب
ہو جائے گا۔ تو جب مومن ہی نہیں رہوگے تو تم پر احسان کیوں کر ہوگا۔ جب کہ لَقَدْ مَنَّ
اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ
نے شان والا رسول بھیج کر مومنوں پر احسان کیا ہے۔

دعا فرمائیں اللہ پاک ہمیں عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توفیق عطا فرمائے اور آلِ
رسول (جس میں ازواجِ رسول اور اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب شامل ہیں) کا ادب
کرنے کی توفیق دے۔ آمین یا ربّ العلمین۔

تیرے قدموں میں جو ہے غیر کا منہ کیا دیکھے
کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا

اللہ اللہ ۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے عشق کی شدت اور تخیل کی گہرائی تو ملاحظہ فرمایئے ۔ ایک طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں اور قدموں میں اپنے سر نیاز کا ذکر کیا تو ساتھ ہی دوسرے حسینوں کے منہ کا ذکر کیا یعنی منہ کے مقابل منہ نہیں رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے مقابل دوسروں کے منہ رکھے۔ پھر فرمایا ؎

کون نظروں میں چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا

آقا تیرے تلووں میں وہ لذت بھرا حسن ہے کہ تیرے تلووں کی زیارت چھوڑ کر کسی کا منہ تکنے کو جی نہیں چاہتا۔

سبحان اللہ اعلیٰ حضرت کے عشق کی انتہائی بلندی دیکھئے، مطلب یہ ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کو تیرے تلووں کی زیارت نصیب ہو گئی وہ کسی کا منہ دیکھنا گوارہ نہیں کرتے تو جو نصیبوں والے تیرا منہ دیکھتے ہیں ان کے معیار ذوق نظر کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ پھر یہی ہو سکتا ہے کہ ذات صمدیت اپنے رخ بے نیاز سے نقاب اٹھا کر سامنے آجائے ادھر وہ بے حجاب ہو ادھر تو بے نقاب ہو کبھی اسے دیکھیں کبھی تجھے دیکھیں۔ اسے دیکھیں تو اس کی تخلیق کا عظیم شاہکار دیکھنے کے لئے پھر تجھے دیکھیں اور جب تجھے دیکھیں تو پھر اسے دیکھیں جس نے تیرے پیکر حسن کو تراشا ہے۔ ؎

لوگ چاہتے ہیں جمال مصطفیٰ کو دیکھ کر
وہ مصور بھی تو دیکھیں جس کی یہ تصویر ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

مَا رَأَیْتُ اَحْسَنَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِیْ فِیْ وَجْہِہٖ۔

ترجمہ: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حسین تر کسی کو نہیں دیکھا۔ آپ کو دیکھ کر یوں لگتا

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے!
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

جو آیت کریمہ تلاوت کرنے کا میں نے شرف حاصل کیا ہے اس میں اللہ پاک نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو تمام انسانوں کے لئے نمونۂ زندگی کے طور پر بیان فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

بلاشبہ تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔ یہ آیت کریمہ اتنے کھلے اور واضح الفاظ میں پیکر نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کی عظمت و رفعت بیان کر رہی ہے کہ مزید کسی توضیح کی ضرورت نہیں۔ خود خدائے بزرگ و برتر کا یہ فرمانا کہ تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے، ذاتِ مصطفوی اور کردار مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر نقص اور ہر عیب سے منزہ اور مبرا ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام حیاتِ مبارکہ کو نمونۂ زندگی فرمایا جا رہا ہے جو لوگ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ تجھ کو راہ بھولا ہوا پایا پس راہ دکھائی یا تجھ کو بھٹکا ہوا پایا پس ہدایت دی" ان کو اس آیت لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" میں غور کرنا چاہیئے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ زندگی کے کسی دور میں راہ بھولے رہے یا بھٹکے رہے ہوتے تو خدا کی ذات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کو نمونہ کے طور پر بیان نہ فرماتی۔ یہاں [illegible] ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں یہ کب کہا گیا ہے کہ پوری زندگی نمونہ ہے۔ [illegible] اعلان نبوت سے بعد کی زندگی مراد ہو تو اس کے چند جواب ہیں۔ پہلا یہ کہ اس آیت میں رسول اللہ کے الفاظ آئے ہیں کہ رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے تو رسول چونکہ بچپن میں بھی رسول تھے۔ اس لئے لازمی ٹھہرا کہ حضور کی پوری زندگی مراد ہو۔ بچپن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نبی ہونا قرآن حکیم سے ثابت ہے حضرت مریم نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جنم دیا۔ تو چونکہ آپ بغیر والد کے آسمانی ارادے سے پیدا ہوئے تھے۔ لوگوں نے حضرت مریم علیہا السلام سے کہا کہ اے مریم یہ بچہ کہاں سے آیا تو حضرت مریم علیہا السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بچے کی طرف اشارہ

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حسنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس رنگ میں بیان فرماتی ہیں۔

لَنَا شَمْسٌ وَّ لِلْاٰفَاقِ شَمْسٌ — وَشَمْسِیْ خَیْرٌ مِّنْ شَمْسِ السَّمَآءِ
فَاِنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ بَعْدَ فَجْرٍ — وَشَمْسِیْ طَالِعٌ بَعْدَ الْعِشَآءِ

ترجمہ: ایک ہمارا سورج ہے ایک آسمان کا سورج ہے لیکن ہمارا سورج آسمان کے سورج سے بہتر ہے کیونکہ آسمان کا سورج فجر کے بعد طلوع ہوتا ہے (شام کو غروب ہو جاتا ہے) اور میرا سورج عشاء کے بعد بھی طلوع ہی رہتا ہے۔

تمہارے حسن کا کونین میں جواب نہیں
جو ڈوب جائے کبھی تو وہ آفتاب نہیں

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پہلے شعر کے پہلے مصرع میں لَنَا شَمْسٌ کہہ کر جمع کا صیغہ استعمال کیا جس کا معنی ہے ہمارا سورج۔ پھر سوچا میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے سورج تو ہیں ہی۔ میں کیوں نہ صرف اپنا سورج کہہ کر اپنے ذوقِ عشق کی تسکین کروں۔ پھر پہلے شعر کے دوسرے مصرع کے شروع میں وَشَمْسِیْ فرما کر اس بات کا اظہار فرما دیا کہ لوگو ٹھیک ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم سب کے سورج ہیں لیکن جب عشاء ہوتی ہے تو یہ سورج تمہارے گھروں میں نہیں صرف میرے گھر میں طلوع رہتا ہے۔ رات کی خلوتوں میں اس رُخِ زیبا کی طلعتوں سے مستفیض ہونا صرف ازواجِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نصیبوں میں لکھا ہے۔ شائد اسی لئے قرآنِ مجید میں اللہ پاک نے فرمایا ہے۔

وَ اَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات مومنوں کی مائیں ہیں۔ یعنی مومنو! جب تک

ماکیرن کی اتباع کرو۔ عابد ہو تو غارِ حرا کی خلوتوں میں آنسو بہانے والے کی اطاعت میں سرِ تسلیم خم کرو۔ شوھر ہو تو خدیجہ و عائشہ کے سرتاج کی طرف دیکھو بیٹے ہو تو عبداللہ و آمنہ کے جگر پارے کی زندگی کا مطالعہ کرو۔ باپ ہو تو زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمۃ الزہرا کے ابا جان کی پیروی کرو اور اگر عادل ہو تو مدینہ طیبہ کے اُس عظیم عادل کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرو جس نے ایک موقع پر یہ بھی فرمایا تھا۔ واللّٰہِ لَوْ سَرَقَتْ فَاطِمَۃُ لَقَطَعْتُ یَدَھَا کہ خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کے ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ ارسطو، نپولین افلاطون اور ہٹلر کی زندگی کا مطالعہ کرنے والو کیوں درندہ صفت انسان بننا چاہتے ہو۔ آؤ اُس رحمۃ للعالمین کے قدموں سے لپٹ جاؤ جس کی زندگی کی قسمیں وہ ذات کھا رہی ہے جس کی اپنی قسمیں کھائی جاتی ہیں۔ حالانکہ اسے کسی کی قسمیں کھانے کی احتیاج نہیں اور نہ ہی کوئی مجبوری ہے کیونکہ احتیاج اور مجبوری اس کے لئے عیب ہیں جب کہ وہ ہر عیب سے پاک ہے۔

حضرات!

ایمان بالرسالت کے چار تقاضے ہیں جو قرآن حکیم کی اس آیت میں بیان کئے گئے ہیں۔ فرمایا فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ،

جو لوگ اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں، اس کی تعظیم کرتے ہیں اور اس کی مدد کرتے ہیں اور اس نور (قرآن مجید) کی پیروی کرتے ہیں جو اس کے ساتھ اتارا گیا یہی وہ لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ ایمان بالرسالت کا پہلا تقاضہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا دوسرا تقاضہ آپ کی تعظیم و تکریم کرنا تیسرا تقاضہ آپ کے مشن کی مدد و نصرت کرنا اور چوتھا تقاضہ اس نور یعنی قرآن کی پیروی کرنا جو آپ پر نازل کیا گیا۔ یہ ہیں وہ چار تقاضے جن پر ایمان بالرسالت کا دارو مدار ہے اگر ان میں کوئی ایک تقاضہ پورا نہ ہو سکے تو یا تو ایمان سرے سے ثابت ہی نہیں ہوتا اور اگر ہوتا ہے تو ناقص رہتا ہے۔ ایمان بالرسالت کا پہلا تقاضہ ہے۔ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا جو دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا نام ہے

اُسوۂ حسنہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔ صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ۔

حضرات گرامی!

لاکھ لاکھ شکر ہے اس ربّ ذوالجلال کا جس نے پوری کائنات میں انسان بکھیرے اور کروڑوں سلام ہوں اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جس نے ان بکھرے ہوؤں کو جمع فرمادیا۔ لاکھ لاکھ شکر ہے اس خلاقِ ارض وسما کا جس نے رنگ برنگے انسان پیدا کئے اور کروڑوں سلام ہوں اس آسمانِ نبوت کے نیّرِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جس نے سب کو یک رنگ بنا دیا۔ بقول اقبالؒ ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ (بخاری)

تم میں کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی تمام خواہشات اس (شریعت) کے تابع نہیں ہو جاتیں جو میں لے کر آیا ہوں۔ مولانا ظفر علی خان نے کیا مزے کی بات کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

نماز اچھی، حج اچھا روزہ اچھا اور زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ بطحا کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا!

ایمان بالرسالت کا دوسرا تقاضہ ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم۔ یہ تقاضہ بھی فی الحقیقت محبت کی ہی ایک کیفیت کا نام ہے۔ بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ ؏

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

ہمارے پنجابی کے صوفی حضرت میاں محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک جگہ آداب محبت کو کچھ اس انداز سے بیان فرمایا ہے ؎

بے ادباں مقصود نہ تیں حاصل ناں درگاہ ڈھوئی
منزل مقصود نہیں پہنچا با جھ ادب دے کوئی

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم بھی اصل ایمان ہے کیونکہ اگر محبت کا دعویٰ تو ہو لیکن دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کا جذبہ مفقود ہو تو محبت کا دعویٰ کرنا بھی منافقت ہے کیوں کہ محبت اور ادب یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں جہاں محبت ہوگی وہاں ادب ہوگا۔ اور جہاں ادب ہوگا وہاں محبت ہوگی۔ یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہو سکتے۔

ایمان بالرسالت کا تیسرا تقاضہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی مدد و نصرت ہے۔ جسے ہم دوسرے لفظوں میں جہاد سے تعبیر کر سکتے ہیں کیونکہ لفظ جہاد اپنے معنی کے لحاظ سے پوری انسانی زندگی کو محیط ہے

کیا کہ میرا بچہ جواب دے گا۔ انہوں نے کہا کَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ (قرآن)
ہم اس بچے سے کیسے کلام کریں۔ جو ابھی پنگھوڑے میں ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام نے فرمایا تمہیں اس سے کلام کرنے کی ضرورت نہیں یہ تم سے کلام کرے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پھر یوں جواب دیا۔ قرآن کے الفاظ ہیں۔ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا۔ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے کتاب دی گئی اور مجھے نبی بنایا گیا۔ جَعَلَنِیْ ماضی کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے کہ میں نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں نہ کہ بھیج کر نبی بنایا گیا ہوں۔ تو ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام انبیائے کرام کے تمام کمالات کے جامع ہیں اس لئے ثابت ہوا کہ آپ بچپن میں بھی رسول اور نبی تھے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ قرآن پاک میں اللہ پاک نے ایک اور جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کی قسم کھائی ہے۔ فرمایا لَعَمْرُکَ اِنَّھُمْ لَفِیْ سَکْرَتِھِمْ یَعْمَھُوْنَ۔ محبوب مجھے تیری عمر کی قسم یہ تو اپنی مستی میں اندھے ہو گئے ہیں عمر کا لفظ عربی زبان میں پوری انسانی زندگی پر بولا جاتا ہے۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کی قسم کھائی جا رہی ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کہیں بھی کوئی نقص یا عیب ہوتا تو اللہ پاک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات مبارکہ کی کبھی قسم نہ کھاتا۔ فرمایا لَعَمْرُکَ محبوب مجھے تیرے بچپن کی قسم ہے، تیرے لڑکپن کی قسم ہے۔ تیری جوانی کی قسم ہے اور تیرے کامل بڑھاپے میں چاندی آنے کے وقت کی قسم ہے۔ محبوب مجھے تیری پوری زندگی کی قسم ہے۔

اللہ اکبر جس محبوب کی پوری زندگی کی قسم وہ ذات کھا رہی ہے کہ ساری کائنات جس کی اپنی قسمیں کھاتی ہے۔ تو پھر کیوں نہ اس محبوب کا اسوۂ حسنہ نمونہ زندگی ٹھہرے۔ فرمایا لوگو میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی تمہارے لیے مشعل راہ ہے۔ تم زندگی کے کسی شعبے سے تعلق رکھتے ہو مسجد سے تعلق ہے یا مکتب سے، تجارت سے تعلق ہے یا عدالت سے، سخاوت سے تعلق ہے یا ریاضت سے بندوں سے تعلق ہے یا مولا سے جس میدان میں بھی ہو جس شعبے میں بھی ہو اگر اس شعبے میں کسی انسانِ کامل کی تقلید کرنا چاہتے ہو تو آؤ دامنِ مصطفیٰ کو تھام لو۔ در رسول کی غلامی کے طوق اپنی گردنوں میں سجا لو۔ چوکھٹِ حبیبِ خدا کے داغ اپنی جبینوں پر سجا لو۔ عالم ہو تو عالمِ ماکان و

کے جو تھے تقاضے کے طور پر قرآن پاک کی پیروی بیان کی گئی ہے لیکن دوسری طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو نمونہ قرار دیا جارہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کی پیروی کرو۔ تو اب مقامِ فکر یہ ہے کہ اسوۂ حسنہ کی پیروی کریں یا قرآن حکیم کی۔ اس الجھن کو اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دور فرمایا۔ جب آپ سے صحابہ نے سوال کیا کہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں بتائیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا صحابۂ کرام رضوان علیہم اجمعین نے عرض کی۔ پڑھا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔ كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ کہ آپ کا اخلاق قرآن ہی تو ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیں کہ قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کرنا مقصود ہو تو قرآن پڑھو اور اگر قرآن کو پیکر انسانی میں دیکھنا ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر لو۔ قرآنِ حکیم ہدایتِ علمی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہدایتِ عملی ہیں۔ قرآن حکیم نے نماز پڑھنے کا حکم دے کر علمی طور پر راہنمائی کی لیکن قیام، رکوع، سجود وغیرہ کیسے ہوں۔ اس کو بیان نہیں کیا۔ جب ہدایتِ عملی کی ضرورت پڑی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ جب نماز پڑھنے کا حکم نازل ہوا تو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ آقا صلوٰۃ پڑھنے سے کیا مراد ہے۔ کیونکہ عربی زبان میں لفظ صلوٰۃ متعدد معنوں میں استعمال ہوتا ہے تو حضور نے راہنمائی فرمائی۔ فرمایا صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي۔ اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔

اللہ اکبر! قربان جائیں عظمتِ مصطفوی کے کہ نماز اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نہایت ہے لیکن اپنی ہیئت کے لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں کا نام ہے۔ نماز فرض ہے اللہ کا حکم ہے۔ مگر فعلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بعض صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین عین حالتِ نماز میں اپنے منہ پھیر کر رخِ مصطفوی کی زیارت کرتے رہتے تھے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھتے

صحیح بخاری میں ہے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا۔ عمر! تو مجھ سے کتنی محبت کرتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو تمام لوگوں سے زیادہ محبت کرتا ہوں لیکن آقا سچ کہتا ہوں کہ اپنے بیوی بچے اور اپنی جان عزیز تر لگتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عمر ابھی تیرا ایمان مکمل نہیں ہوا۔ عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ بات ہے تو اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اب میں اپنے والدین، اپنے بیوی بچوں، اپنی جان اور کل کائنات سے بڑھ کر آپ سے محبت کرتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْآنَ تَمَّ اِیْمَانُکَ یَا عُمَرُ۔ اے عمر اس لیے تیرا ایمان مکمل ہوگیا۔

اس حدیث سے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اصل ایمان ہونا اور عین ایمان کا ہونا ثابت ہوا۔ وہاں ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کامل الایمان ہونے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی بھی ثابت ہوگئی۔ حالانکہ ایمان قلبی کیفیت کا نام ہے اقرار باللسان کرنے والے کو ہم مومن تو کہہ سکتے ہیں لیکن اس کے کامل الایمان ہونے پر سند نہیں دے سکتے۔ لیکن قربان جائیں علم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ ایک طرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محو گفتگو ہیں دوسری طرف نگاہِ رسالت عمر کے دل پر لگی ہے۔ حضرت عمر کی قلبی کیفیت کو دیکھ کر تَمَّ اِیْمَانُکَ یَا عُمَرُ کا مژدہ جانفزا سنا دیا۔ یہ ایک الگ موضوع ہے ضمناً بات آگئی تو وضاحت کردی۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی اصل ایمان ہے۔ صحیح بخاری میں ہے۔ فرمایا:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔

تم میں کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے والدین بچوں اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

بے کسی اور کی نہیں کیونکہ یہ رسول اخلاق کے اعلیٰ درجے پر فائز ہے۔ تمام انسانوں میں انبیائے کرام کو مکارمِ اخلاق کی کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ انبیائے کرام مبلغ و مزکّی ہوتے ہیں اس لئے اللہ پاک ان کی فطرت میں محاسنِ اخلاق بھر دیتا ہے جس کا ظہور ان کے کردار و عمل سے ہوتا رہتا ہے مگر دوسرے محامد و محاسن کی طرح اس کمال میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیگر انبیائے کرام سے ممتاز ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعتِ اخلاق کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان الفاظ میں کیا ہے۔

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ (سورہ قلم)

اور بلاشبہ آپ بہت بلند اخلاق والے ہیں۔ اور خود حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ (موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ)

میں اخلاقِ حسن کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

سابقہ انبیائے کرام میں ہر نبی حسنِ اخلاق کی کسی ایک نوع سے متصف تھا لیکن سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم حسنِ اخلاق کی تمام انواع کے منبع و مظہر تھے۔ جو جو فضائل و کمالات انبیائے سابقین میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے وہ تمام کمالات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں بدرجۂ اتم موجود تھے، کسی نے بہت خوب کہا:

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

صاحبِ قصیدہ بردہ امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فَاقَ النَّبِیِّیْنَ فِیْ خَلْقٍ وَّفِیْ خُلُقٍ
وَلَمْ یُدَانُوْہُ فِیْ عِلْمٍ وَّلَا کَرَمٖ

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلق اور خُلق میں تمام انبیاء پر برتری پا گئے۔ نہ تو علم میں آپ کا کوئی ہمسر ہے اور نہ کرم میں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک نے قرآنِ پاک میں جا بجا اپنی اطاعت کے ساتھ حضور کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم

خواہ یہ جہاد، جہاد بالکفار ہو یا جہاد بالنفس، جہاد ہی کہا جائے گا۔ قرآن پاک دونوں جہادوں کا ذکر کرتا ہے۔ اگرچہ اور بھی بہت سے جہاد ہیں۔ جہاد بالسیف، جہاد بالقلم، جہاد بالعلم، جہاد بالعمل، جہاد بالمال وغیرہ۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی مدد و نصرت کرنا خواہ جس طریق سے ہو بہر حال جہاد ہے۔ اگر ایمان بالرسالت کا یہ تقاضا بھی پورا نہ ہو تو ایمان ناقص رہتا ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔

مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَ ذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ ۔ تم میں جو کسی برائی کو دیکھے تو چاہیے کہ ہاتھ سے بدل دے۔ اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے روک دے اگر اس کی طاقت بھی نہیں رکھتا تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کی ضعیف حالت ہے گویا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جہاد میں شامل ہیں جس کا بہت بڑا اجر ہے ایک حدیث پاک میں ہے۔ مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَہٗ اَجْرٌ مِثْلُ فَاعِلِہٖ ۔ جس نے نیکی کی دعوت دی۔ اس کا اجر نیکی کرنے والے کے برابر ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ سے لوٹتے تو فرماتے رَجَعْنَا مِنَ الْجِہَادِ الْاَصْغَرِ اِلَی الْجِہَادِ الْاَکْبَرِ۔ کہ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹے۔ تو معلوم ہوا کہ جہاد بالکفار، جہاد اصغر ہے اور جہاد بالنفس جہاد اکبر ہے۔ میدانِ کارزار میں چمکتی تلواروں کی چھاؤں میں لڑنے والے جہاد اصغر میں مصروف ہوتے ہیں اور بغداد، اجمیر اور ہجویر کی خانقاہوں میں خود ناشناسوں کو خدا شناس بنانے والے جہاد اکبر میں مصروف ہوتے ہیں تو درست جب جہاد اصغر کرتے ہوئے مرنے والوں کی حیاتِ جاودانی پر خود قرآن گواہی دے رہا ہے تو جہاد اکبر کرنے والے انبیائے کرام اور اولیائے کرام کیسے مر کے مٹی میں مل گئے۔ نعوذ باللہ من ھذہ العقیدۃ الفاسدۃ۔ ان کو تو بدرجہ اولیٰ زندہ ہونا چاہیے۔ ایمان بالرسالت کا چوتھا تقاضا ہے۔ قرآن حکیم کی پیروی کرنا، یہ تقاضا ایمان کو منتہائے کمال تک پہنچاتا ہے اور ہمارا موضوع سخن بھی زیادہ تر اسی تقاضے سے متعلق ہے کیونکہ بات ہم اسوۂ حسنہ کی کر رہے ہیں۔ اس لئے یہ چوتھا تقاضا تفصیل طلب ہے، پہلے تین تقاضوں کی مختصر تعریف ضمنی طور پر کی گئی ہے۔ اب ہم چوتھے تقاضے سے متعلق قدرے تفصیل کے ساتھ عرض کریں گے۔ مذکورہ آیت کریمہ میں ایمان بالرسالت

جس کے سر پر رحمۃ للعالمین ہونے کا تاج سجا ہو۔ اس کی اطاعت خدا کی اطاعت قرار کیوں نہ پائے اور اس کا اسوۂ حسنہ تمام انسانیت کے لیے نمونۂ زندگی کیوں نہ ہو۔

یہ تو تھے اس آیتِ مبارکہ کے چند تفسیری پہلو۔ اب ہم نمونے کے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے چند واقعات بیان کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے لڑکے کو جو مخلص مسلمان تھے اپنے باپ کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم فرمایا اور جب وہ مرگیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پیراہن مبارک جسم اطہر سے اتار کر اس کا کفن بنایا اور نمازِ جنازہ پڑھنے کا ارادہ فرمایا۔ اس وقت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ ایسے منافق پر نماز پڑھ رہے ہیں جو تمام منافقوں کا سردار تھا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دامن مبارک چھڑا کر فرمایا:

اے عمر تم دور رہو۔ تب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ

اے محبوب آپ کسی منافق کی موت پر کبھی نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ ترک فرمایا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی اخلاق اور شفقت مہربانی اُمت پر تھی لیکن جب بارگاہِ الٰہی سے ممانعت آگئی تو ارادہ ترک فرما دیا۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ اس کے لڑکے کی دلجوئی کے لیے تھا کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے مخلص و صالح صحابی تھے۔ اور انہوں نے درخواست کی تھی جس کی پذیرائی فرمائی گئی۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن اُبی منافق کو قمیص مبارک پہنانا اسی بنا پر تھا کہ اس نے آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس وقت قمیص پہنائی تھی جب کہ وہ بدر کے قیدیوں میں برہنہ اسیر ہوئے تھے۔ اور ان کے جسم پر طویل القامت ہونے کی وجہ سے کوئی قمیص نہ آتی تھی بفرض کہ اس بیان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق کی عظمت کا اظہار ہے باوجودیکہ منافقین ہمیشہ آپ کو بُرا جانتے اور اذیتیں پہنچاتے تھے۔ مگر اس کے مقابلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے ساتھ حسن سلوک

ہوئے ہم میں سے ہر شخص کی یہ انتہائی کوشش اور شدید خواہش ہوتی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پہلی صف میں دائیں جانب جگہ ملے اس کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ امام پہلے دائیں جانب سلام پھیرتا ہے تو ہماری تمنا ہوتی کہ نماز کے اختتام پر سلام پھیرتے ہی سب سے پہلے ہماری نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخ انور پر پڑے۔

وہ لمحے جو دو یا چار رکعت میں نماز کی استغراقی کیفیت میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے بغیر گذرتے تھے وہ بھی ہجر اور فراق کی آگ لگا دیتے تھے اسی لئے تو جیسا کہ میں نے عرض کیا بعض صحابہ نماز میں بھی آپ کی زیارت کرتے رہتے تھے، وہ جانتے تھے کہ نماز اگر قضا ہو گئی تو شریعت قضا نماز ادا کرنے کی اجازت تو دیتی ہے لیکن اگر دیدار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قضا ہو گئی تو شائد زندگی بھر اس قضا کی ادا کی مہلت نہ ملے بقول شخصے

نمازیں گر قضا ہوں پھر ادا ہوں
نگاہوں کی قضائیں کب ادا ہوں

یہ محبت کی انتہا ہے، جیسا کسی نے کہا:

تجھی کو تکنے لگے جو تو آیا مسجد میں
نماز سب نے قضا کی تری ادا کے لئے

یہ اہلِ محبت کی باتیں ہیں۔ ہر کس و ناکس ان سے محظوظ نہیں ہو سکتا۔ اعلیٰحضرت فرماتے ہیں:

عشاقِ روضہ سجدہ میں سوئے حرم جھکے
اللہ جانتا ہے کہ نیت کدھر کی ہے

ایمان بالرسالت کے جس تقاضے کا ذکر چھیڑو، محبتِ رسول کا پہلو بہر حال نکل ہی آتا ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ آیت میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ فِي رَسُولِ اللّٰهِ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ جو اللہ کا پیارا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے صرف اس کی حیات مبارکہ ہی تمہارے لئے نمونہ

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے عنایت فرمایئے میں اسے درست کروں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نہیں چاہتا میں ممتاز ہو کر رہوں اور کسی کو اپنے کام کے لئے تکلیف دوں۔

(مدارج النبوت جلد اوّل)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ میں نہیں چاہتا کہ میں ممتاز ہو کر رہوں۔ تواضع کے طور پر تھا۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو خدا کے بعد سب سے ممتاز اور افضل ھیں بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر؛

ایک مرتبہ نجاشی بادشاہ حبشہ کے کچھ ایلچی آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خاطر مدارات کے لئے کھڑے ہو گئے۔ تو صحابہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خدمت کی سعادت ہمیں عنایت فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انہوں نے ہمارے صحابہ کی بڑی خدمت اور تکریم کی ہے، میں پسند کرتا ہوں کہ ان کا بدلہ ادا کروں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ خانہ کے کام کاج خود کرتے اور اپنے کپڑے خود سیتے۔ اپنی نعلین مبارک خود درست فرماتے۔ اپنی بکری کا دودھ خود دوہتے۔ آپ اپنی سواری کے اونٹ کو خود باندھتے اور خود ہی اس کو چارہ وغیرہ ڈالتے تھے۔ آٹا گوندھنے میں خادم کی مدد فرماتے۔ بازار سے اپنا سامان خود اٹھا کر لاتے اور کسی دوسرے پر اٹھانے کے لئے نہ چھوڑتے تھے۔

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بازار آیا اور ایک سراویل (پاجامہ) کو چار درہم میں خریدا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وزن کرنے والے سے فرمایا قیمت میں مال کو خوب کھینچ کھینچ کر تولو یعنی وزن میں کم یا برابر نہ لو بلکہ زیادہ لو۔ وہ شخص وزن کرنے والا حیرت زدہ ہو کر بولا؛ میں نے کبھی بھی کسی کو قیمت کی ادائیگی میں ایسا کہتے نہیں سنا۔ اس پر حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا؛ افسوس ہے تجھ پر کہ تو نے اپنے نبی کو نہیں پہچانا پھر تو وہ شخص ترازو کو ہاتھ سے چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کو بوسہ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک کھینچ کر فرمایا؛

یہ عجمیوں کا دستور ہے۔ وہ اپنے بادشاہوں اور سرداروں کے ساتھ ایسا کرتے۔ میں بادشاہ نہیں

کی اطاعت کرو اور اُن کی جو تم میں سے صاحبانِ حکم ہیں۔ اس آیت کریمہ میں تین ذاتوں کی اطاعت کا ذکر ہے لیکن دو ذاتوں کی اطاعت کا حکم واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نام سے پہلے بھی اَطِیْعُوا فرمایا اور حضور کے نام گرامی کے ساتھ بھی اَطِیْعُوا فرمایا لیکن اولی الامر کے ساتھ اَطِیْعُوا کا لفظ نہیں لگایا جس میں چند حکمتیں ہیں۔ ایک حکمت یہ ہے کہ اگر اولی الامر کے ساتھ بھی اطیعوا کا لفظ لگایا جاتا تو ہوسکتا تھا کہ کوئی بدبخت حکمران یہ کہہ دیتا کہ رسول اور میں دونوں برابر ہیں کیونکہ اُن کے ساتھ بھی اَطِیْعُوا کا لفظ ہے اور میرے ساتھ بھی اَطِیْعُوا کا لفظ ہے غیرت الوہیت نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ کوئی بدبخت میرے محبوب کی برابری کا دعویٰ کر سکے۔ دوسری حکمت اولی الامر کے ساتھ اَطِیْعُوا نہ لگانے میں یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو اُس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس اولی الامر کی اطاعت کرنا جو پہلے دونوں اَطِیْعُوا کا مطیع ہو کر اپنی جبینِ نیاز کو درِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہ خم کر دے۔ اگر کوئی اولی الامر اپنی گردن سے غلامیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طوق اتار دیتا ہے تو پھر تم پر اس کی اطاعت واجب نہیں یہی وجہ ہے کہ نواسۂ رسول جگر گوشہ بتول حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب دیکھا کہ یزید اسلام کی حدوں کو توڑنے والا ہے۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے والا ہے۔ فاسق و فاجر اور زانی و شرابی ہے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کی بیعت کرنے سے انکار فرمایا کیونکہ ایسے بدکار اور بدکردار کی اطاعت آپ پر واجب نہ رہی۔

قرآن مجید میں ایک مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اللہ نے اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

جس نے رسول اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اُس نے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ چاہیئے بھی یہی کہ جس ذاتِ مقدس کو دستِ قدرت نے پروان چڑھایا ہو۔ جو مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی کی شان والا ہو جس کا عمل وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی کے تحت خدا کا عمل قرار پائے جس کا ہاتھ اللہ پاک کا ہاتھ ہو۔

آج ہمارے معاشرے میں تہذیبِ حاضر کے گرفتار اور مغربی تہذیب کی گود میں پلے ہوئے کچھ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو تابعینِ سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ بے وقوف، دقیانوسی اور خدا جانے کیا کیا کہتے ہیں۔

آج اگر کوئی شادی میں کھانا سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرتے ہوئے بیٹھ کر کھائے تو اس کی ہنسی اڑائی جاتی ہے، کوئی کھانا کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لے تو یہ بات خلافِ تہذیب تصور کی جاتی ہے حالانکہ جدید ڈاکٹرز اس تحقیق پر پہنچے ہیں کہ انگلیاں بعد از طعام چاٹنے والے لوگ دل کا دورہ پڑنے سے محفوظ رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یورپ کی نسبت اسلامی دنیا میں دل کا دورہ پڑنے کی بیماری بہت کم پائی جاتی ہے۔ اللہ اکبر جس نتیجے پر ہزاروں سالوں کی محنت کے بعد آج طِب پہنچی ہے وہ آقا نے آج سے چودہ سو سال پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کا معمول بنا دیا۔

موجودہ دور میں ایک انگریز ڈاکٹر نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک پڑھا کہ جس برتن میں کُتا منہ ڈال دے اس کو تین مرتبہ یا باختلافِ روایت سات مرتبہ مٹی سے دھوؤ تو اس نے تحقیق کی۔ ایک پلیٹ میں کتے کو کچھ کھلا کر پھر پلیٹ کو خوردبین کے ساتھ دیکھا تو بے شمار جراثیم نظر آئے۔ پلیٹ کو مختلف قسم کے پاؤڈروں اور صابنوں سے دھویا گیا جو موجودہ سائنس کی تخلیق ہیں لیکن دیکھنے پر معلوم ہوا کہ جراثیم پلیٹ میں موجود ہیں پھر اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک کے مطابق جب تین بار مٹی سے پلیٹ کو دھویا تو دیکھا کہ پلیٹ جراثیموں سے بالکل صاف ہو چکی ہے تو وہ انگریز ڈاکٹر کہنے پر مجبور ہو گیا کہ ہماری سائنس ابھی علمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت پیچھے ہے۔

خدا کی عزت کی قسم اگر دنیا بھر کے سائنس دانوں اور ڈاکٹروں کو سُننِ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت و منافع کا علم ہو جائے تو چوکھٹِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے سروں کو جھکا کر سب یہی کہتے ہوئے نظر آئیں کہ

سب فلسفے جہاں کے غلط اور فضول ہیں
ہم کو فقط حضور کی باتیں قبول ہیں

ہی فرماتے تھے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مخلص مسلمانوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا عالم کیا ہوگا۔ (مدارج النبوت جلد اوّل)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ہمیشہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبسم کناں دیکھا ہے اور کبھی بھی آپ کو صحابہ کے سامنے اپنا زانوئے مبارک پھیلاتے ہوئے نہ دیکھا۔ اور جو بھی آپ کے پاس آتا آپ اس کا اعزاز فرماتے اور اس کے لیے اپنی چادر مبارک پھیلاتے اور اس کے لیے ایثار فرماتے اسے سرہانے بٹھاتے اور خود نچلی جانب تشریف رکھتے اور کسی کی بات نہ کاٹتے جب تک کہ وہ حد سے تجاوز نہ کر جاتا۔ اس وقت کھڑے ہو کر یا کسی اور طرح سے بات ختم فرماتے۔ اور کبھی کسی آنے والے کی خاطر نماز کو ہلکا کر دیتے۔ اور اس سے اس کی حاجت دریافت فرماتے اور جب اس کی حاجت روائی فرماتے تو نماز کی طرف مشغول ہوتے۔ ناداروں کی بیمار پرسی کرتے اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھ جایا کرتے اور غلاموں کی دعوت کو قبول فرمالیا کرتے تھے۔ ان کی دعوت میں جو کی روٹی اور پگھلی ہوئی کہنہ چربی ہوتی تھی مگر آپ اُسے ہی قبول فرماتے اور اپنے صحابہ کے ساتھ گھل مل کر بیٹھتے اور مجلس کے آخری کنارے پر جہاں جگہ ہوتی تشریف رکھتے۔ دراز گوش پر سواری فرماتے۔ اور کسی کو ردیف بناتے یعنی سواری پر اپنے پیچھے کسی کو بٹھا لیتے۔

طبری بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو ایک دنبہ تیار کرنے کا حکم فرمایا صحابہ اُٹھے، ایک کہنے لگے میں ذبح کروں گا۔ دوسرے صحابہ نے کہا میں اس کی کھال اتاروں گا تیسرے کہنے لگے میں اسے پکاؤں گا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لکڑیاں میں جمع کروں گا۔ صحابہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کافی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں جانتا ہوں تم کافی ہو لیکن میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ تم سے ممتاز و جدا رہوں اور تمہارے درمیان متمیز ہو کر بیٹھا رہوں۔ اللہ تعالیٰ اسے ناپسند فرماتا ہے کہ کوئی بندہ اپنے ساتھیوں کے درمیان ممتاز ہو کر بیٹھا رہے۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک کا بند ٹوٹا ہوا تھا صحابہ میں سے کسی نے عرض کیا

یعنی ان تمام چیزوں میں غور وفکر کیوں نہیں کرتے۔ تحقیق سے کام لو تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ اس کائنات کا کوئی خالق ومالک ہے کہیں اللہ پاک اپنی پیدا کردہ نعمتوں کا ذکر کرکے فرماتا ہے۔

اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ (نحل)

ترجمہ:

بیشک اس میں سوچنے والوں کے لئے نشانی موجود ہے۔

کہیں قرآن نے خود اپنی طرف متوجہ کیا۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا

ترجمہ:

لوگ قرآن میں غور وفکر کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر تالے لگے ہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا:

وَھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوْمَ لِتَھْتَدُوْا بِھَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ○ انعام ۹۸

ترجمہ:

اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے تارے بنائے کہ ان سے راہ پاؤ خشکی اور تری کے اندھیروں میں۔ ہم نے نشانیاں مفصل بیان کر دیئے علم والوں کے لئے۔

کہیں ان الفاظ میں دعوتِ فکر دی۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط

(یونس۔ ۱۰۱)

تم فرماؤ مشاہدہ کرو کہ آسمانوں اور زمین میں کیا ہے۔

ہوں میں تو تم میں سے ایک شخص ہوں۔

(یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہ تواضع فرمایا جیسا کہ آپ کی عادت کریمہ تھی)

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سراویل کو اٹھا لیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آگے بڑھ کر ارادہ کیا کہ آپ سے سراویل لے لوں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سامان کے مالک ہی کو حق ہے کہ وہ اپنے سامان کو اٹھائے مگر جو شخص کمزور ہے اور اٹھا نہ سکے تو اپنے اس بھائی کی مدد کرنی چاہیئے۔

(مدارج النبوت جلد اوّل)

عبداللہ بن ابی الحمساء بیان کرتے ہیں کہ بعثت سے پہلے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز خریدی، کچھ رقم باقی رہ گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا کہ اسی جگہ لے کر حاضر ہوتا ہوں۔ پھر میں بھول گیا۔ تین دن کے بعد مجھے یاد آیا۔ میں وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ تشریف فرما ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف مجھ سے اتنا فرمایا۔ تم نے مجھے مشقت میں ڈال دیا تین دن سے اسی جگہ تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ (ابوداؤد)

اس روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع، صبر اور صدقِ وعدہ کی انتہا ہے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارے میں قرآن شریف میں اسی طرح آیا ہے چنانچہ اللہ پاک نے فرمایا:

اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ

بلاشبہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام وعدے کے سچے تھے۔

بعض متبعین شریعت نبوی نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ایک سال کامل کسی شخص کے وعدہ کے مطابق اس کے انتظار میں بیٹھے رہے۔ اور وہ شخص خضر علیہ السلام تھے۔ (مدارج النبوت)

حضرات گرامی!

ان حکایات و واقعات کی روشنی میں اگر ہم اپنی زندگی، کردار اور عمل کا جائزہ لیں تو سوائے شرمندگی کے کچھ نہیں ملتا کیونکہ ہم عملی طور پر سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت دور ہو چکے ہیں

قرآن کریم سائنس کی کتاب نہیں ہے لیکن اس کتاب مجید میں اللہ پاک نے بعض ایسے علمی امور بیان فرمائے ہیں جن پر آج سائنس نے حقانیت و صداقت کی مہر لگا دی ہے۔ انشاء اللہ وہ دن دور نہیں جب موجودہ سائنس اللہ کی مقدس کتاب کی بارگاہِ علم میں زانوئے تلمذ تہہ کرے گی اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی علمی و فکری تشنگی کو بجھائے گی۔

یونہی تو خدا کی ذات اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کو بہترین نمونہ قرار نہیں دے رہی ہے۔

اس کی تو شان ہے

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ٥

ترجمہ:

اور اللہ سے زیادہ قول کس کا سچا ہے۔

اور فرمایا:

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ٥

ترجمہ:

اور اللہ سے زیادہ بات میں کون سچا ہے:

وہ قادرِ مطلق وہ حکیم و علیم جو ہمہ دان اور ہمہ بین ہے اس کا اپنے محبوب کی حیاتِ طیبہ کو بہترین نمونۂ زندگی قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ کائنات کا کوئی سلسلہ اس وقت تک اپنے کمال و عروج کو نہیں پہنچ سکتا جب تک اس کی تحقیق و تکمیل اسوۂ رسول اور اقوالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں نہ کی جائے۔

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل غلامی عطا فرمائے اور ان کے اسوۂ حسنہ پر کما حقہ عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

کیونکہ بقول مولانا ظفر علی خان ؎

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نقطہ وروں سے حل نہ ہوا
اس راز کو کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

امّتِ مسلمہ کی بدبختی اور بدقسمتی یہی ہے کہ دن بدن در رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ غلامی کمزور تر ہوتا جا رہا ہے۔

ہماری نوجوان نسل اسلامی واقعات و افکار کو قصۂ پارینہ اور اساطیرالاولین سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں دیتی۔

جدید سائنسی تحقیقات نے علمی اور فکری دنیا میں ایک عظیم انقلاب بپا کر دیا ہے۔ ہمارے مغربی تہذیب میں پلے ہوئے نوجوان یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام ایک بیڑی اور زنجیر ہے اگر اس میں جکڑے گئے تو جدید دور کی سائنسی آسائشوں اور تخلیقات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔

یہ بات بالکل غلط ہے کہ اسلام انسانی ذہنی و فکری صلاحیتوں کو زنگ آلود کرنا چاہتا ہے یا تحقیق و تجدید پر پابندی لگانا چاہتا ہے ہرگز نہیں، اسلام انسانی فکر اور سوچ کو جتنی وسعت عطا کرتا ہے شائد ہی دنیا کا کوئی اور مذہب اتنا وسیع ہو لیکن افسوس یہ ہے کہ ہماری قومی و مذہبی اکثریت دینی تعلیم سے محروم ہے جب تک دینی تعلیم حاصل نہیں کی جاتی کیسے پتہ چلے کہ قرآن کا تصور تحقیق و تفکر کیا ہے اور قرآن خود اپنے اندر علم و حکمت کے کتنے خزانے چھپا کے بیٹھا ہے قرآن حکیم اپنے پڑھنے والوں کو یوں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ وَ اِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ وَ اِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ وَ اِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ ۝ (غاشیہ)

ترجمہ:

تو کیا اونٹ کو نہیں دیکھتے کیسا بنایا گیا اور آسمان کو کیسا اونچا کیا گیا اور پہاڑوں کو کیسے قائم کئے گئے اور زمین کیسے بچھائی گئی۔

فرمایا:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (الجاثیہ۔۱۳)

ترجمہ:

اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ سب کو (اپنے فضل سے) تمہارے کام پر لگایا ہے۔ ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔

اور فرمایا:

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ص وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔

(البقرہ ۱۶۴)

ترجمہ:

بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کا بدلتے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو اس سے جلا دی اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلاتے اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل کہ آسمان اور زمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے۔ ان سب میں عقلمندوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔

صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے جب یہ الفاظ تلاوت کئے جائیں اور ان کا ترجمہ پیش کیا جائے تو ہر شخص کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر انسانوں کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کوئی اور کام نہ کریں ہر وقت مسجد میں بیٹھ کر اللہ کی عبادت کرتے رہیں، یہ ناممکن ہے۔ اس طرح تو انسانی زندگی کا سارا نظام درہم برہم ہو جائیگا۔ یہ الجھن اور سوال اس لئے پیدا ہوا کہ ہم نے لفظ عبادت کو نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ تک ہی محدود سمجھ لیا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں عبادت کا انحصار انہی چند ارکان کی ادائیگی پر رہ گیا ہے حالانکہ اسلام کا تصورِ عبادت اتنا وسیع ہے کہ پوری انسانی زندگی کو محیط ہے مختصر طور پر عبادت کی جو تعریف کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ:

"ہر وہ کام جو اللہ کے خوف سے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں رہ کر کیا جائے عبادت ہے"۔ قرآن حکیم کی متعدد آیات طیبات سے استدلالاً عبادت کی یہ تعریف کی جا سکتی ہے مثلاً فرمایا۔

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔

جو چیز تمہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم عطا کریں اسے لے لو۔ اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز رہو۔

فرمایا:

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

اللہ کی اطاعت کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔

فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔

اے محبوب تم فرما دو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو۔ تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

فرمایا:

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ہر کہ عشقِ مصطفیٰ سامانِ اوست!
بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست!

اس لئے اپنے اہل وعیال کے لیے اس کا رزق کمانا بھی عبادت بن گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلرَّاشِیْ وَالْمُرْتَشِیْ کِلَاھُمَا فِی النَّارِ

رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں جہنمی ھیں۔

جہنمی کیوں ہوئے حالانکہ دونوں کا مقصد رزق کمانا ہے جہنمی اس لئے ہوئے کہ اس طریقہ سے رزق کمایا جس طریقے سے کمانا اللہ اور رسول نے منع کیا ہے۔

جہاد بلاشبہ بہت بڑی عبادت ہے لیکن عام طور پر جہاد صرف میدان میں کافروں کے ساتھ جنگ کرنا ہی سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ جہاد کی سینکڑوں اقسام ہیں۔ اگرچہ ان اقسام کے مدارج عنداللہ مختلف ھیں لیکن کہلائیں گی تو جہاد ہی۔

اسی طرح عبادت کی مختلف شکلیں ہیں۔

کبھی عبادت نماز، روزے حج اور زکوٰۃ کی شکل میں ہوتی ہے تو کبھی جہاد (خواہ جس قسم کا ہو) وقتال، عدل وانصاف، تعلیم وتعلم اور نیک افکار واعمال کی شکل میں ہوتی ہے۔

یہ تصورِ عبادت اگر ہر مسلمان کے قلب وذہن میں ہو تو وہ کوشش کرکے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ عبادتِ الٰہی کے سانچے میں ڈھال سکتا ہے لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ایک طرف اسلام کے تصورِ عبادت کا حلیہ بگاڑ دیا اور دوسری طرف اپنی تخلیق کے مقصدِ عظیم کو فراموش کردیا فکر و نظر کے پیمانے بدل گئے۔ قلوب واذہان سے ذوقِ عبادت رخصت ہوگیا عصرِ حاضر میں مادی دوڑ نے روحانیت کو ختم کردیا۔ نہ تو کہیں وہ سوز وساز رومی رہا اور نہ کہیں پیچ وتاب رازی رہا۔ بےغیرتی بےحیائی اور رقص وسرود کو تصوف کا نام دے دیا گیا کہیں جبہ ودستار کی زیبائی ولمبائی معیار ولایت بن گئی تو کہیں بدمستی اور برہنگی پہنچے ہوؤں کا نشانِ امتیاز ٹھہری۔ آدھا لباس اتارنے والے آدھے ولی اور پورا لباس اتارنے والے پورے ولی تصور کئے گئے وہ خانقاہیں جہاں آکر رقاصائیں رقص وسرود سے تائب ہوتی تھیں وہیں آکر اب کنجریوں کا کاروبار چمکتا ہے اور بازار گرم ہوتا ہے۔

ہجویری رحمۃ اللہ علیہ واجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے وہ بادہ خانے جہاں معرفتِ خداوندی کے جام پلا کر

تصورِ عبادت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔
اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ
الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ
اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۝
صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ۔

حضراتِ گرامی!

اللہ پاک کی توفیق سے جو الفاظ تلاوت کرنے کا شرف حاصل کیا ہے ان میں اللہ تعالیٰ نے فلسفۂ تخلیقِ انسانی کو بیان کیا ہے کہ انسان کو پیدا کرنے کا مقصد، مدعا اور فلسفہ کیا ہے؟

ارشاد فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔

ترجمہ:

ہم نے جنات اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر اپنی عبادت کے لئے۔ یعنی جنوں اور انسانوں کو

یہ بات ہر وقت ذہن میں رہے کہ اللہ پاک ہمیں دیکھ رہا ہے۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ ایک ایماندار آدمی کبھی بھی کوئی گناہ کرنے کی جسارت نہیں کر سکے گا۔

آپ غور فرمائیں تو اس حدیث پاک میں ایک بہت بڑی حکمت پوشیدہ ہے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص یہ یقین نہ رکھتے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے تو وہ شخص کافر ہو جائے گا اور اگر یہ یقین ہو کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ پھر گناہ کرے تو اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا رہے گا کہ ظالم تو بہت بڑا بے غیرت اور بے حیا ہے کہ تیرا رب تجھے دیکھ رہا تھا اور تو نے اس کے باوجود گناہ کیا۔ اس کی نافرمانی کی۔ بندوں کا لحاظ تو کر لیا اپنے رب کا لحاظ نہ کیا ضمیر کی یہ آواز اسے انشاء اللہ راہِ راست پر لے آئے گی۔

ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے' مجھے بہت تعجب ہوتا ہے اس شخص پر جو اللہ پاک کو سمیع و بصیر مانتا ہے پھر بے ہودہ کلام کرتا اور برائیاں کرتا ہے۔

احیاء العلوم میں حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کسی بزرگ سے کوئی گناہ صادر ہو گیا تو انہوں نے چالیس سال تک آسمان کی طرف نہیں دیکھا۔ فرمایا کرتے مجھے اب سر اٹھاتے ہوئے شرم آتی ہے کیونکہ میں اپنے پروردگار کا مجرم ہوں۔

حضرت ربیع بن ہیثم آنکھوں کو اتنا نیچے رکھتے اور سر جھکائے رکھتے کہ بعض لوگ سمجھتے کہ یہ اندھے ہیں بیس برس تک حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر آتے جاتے رہے۔ جب آپ کی لونڈی حضرت ربیع کو دیکھتی تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہتی کہ آپ کا اندھا دوست آیا ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب انہیں دیکھتے تو مسکرا کر فرماتے:

بَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ

عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری دو۔

اور فرماتے:

خدا کی قسم اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو دیکھتے تو بہت خوش ہوتے۔

حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب وضو فرماتے تو چہرے کا رنگ اڑ جاتا اور وجود پر کپکپی طاری ہو جاتی۔ زوجہ محترمہ پوچھتیں کہ کیا وجہ ہے فرماتے تمہیں پتہ نہیں کہ وضو کرکے میں کس کی

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

محبوب تمہارے رب کی قسم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک باہمی تنازعات میں تجھے حاکم نہ مان لیں۔

فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی بلاشبہ اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

ہر آدمی جانتا ہے کہ قرآن پڑھنا عبادت ہے قرآن کے احکامات پر عمل کرنا عبادت ہے۔

مندرجہ بالا چند آیات سے واضح ہو گیا کہ ہر وہ کام عبادت ہے جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر ہے جو ایک ایسی عبادت ہے جس کی وجہ سے باقی اعمالِ صالح عبادت بنتے ہیں۔ کیونکہ اگر کوئی شخص ایمان نہیں لایا۔ تو وہ کافر ہے اور کافر کے اچھے اعمال بھی اس کے کفر کی وجہ سے اللہ کی بارگاہ میں مردود ہیں تو ثابت ہوا کہ عبادت صرف نماز، روزے، حج اور زکوٰۃ ہی کا نام نہیں بلکہ ہر وہ کام عبادت ہے جو خدا و رسول کی اطاعت میں کیا جائے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جو شخص جہاد کے لیے گھوڑا پالتا ہے اس کے وجود سے نکلا ہوئی غلاظت کو جھاڑو سے صاف کرتا ہے تو اس کا یہ عمل بھی اللہ کی بارگاہ میں عبادت لکھا جاتا ہے۔ اب آپ غور فرمائیں کہ اسلام کا تصورِ عبادت کتنا وسیع ہے۔ غلاظت کا تعلق گھوڑے کے ساتھ ہے گھوڑے کا مجاہد کے ساتھ اور مجاہد کا جہاد کے ساتھ تو چونکہ اصل مقصد جہاد یعنی اللہ کا نام بلند کرنا اور شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بول بالا کرنا ہے لہذا اس مقصد کے لئے جو بھی کام جائز طریقے سے کیا جائے گا عبادت بن جائے گا۔ نماز بلاشبہ عبادت ہے لیکن نماز سے پہلے وضو کرنا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا وغیرہ یہ تمام اعمال بھی عبادت بن جائیں گے۔ کیونکہ قرآن و سنت کے مطابق کئے گئے ہیں۔

حدیث پاک میں ہے۔

اَلْكَاسِبُ حَبِيْبُ اللّٰهِ

حلال رزق کمانے والا اللہ کا دوست ہے، کیونکہ وہ رزق اللہ اور رسول کی اطاعت میں رہکر کماتا ہے

یہ حالت ہے کبھی دو رکعت نفل زیادہ پڑھ لئے تو ذہن میں غرور آجاتا ہے کہ میں بہت بزرگ ہو گیا ہوں

قرآن کہتا ہے۔

فَلَا تُزَكُّوٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى۔

اپنے آپ کو پاک وصاف نہ کہو، وہ جانتا ہے کون کتنا پرہیزگار ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

نہیں ہے ذوق بلالؓ و حیدری تجھ میں
عجب ہے اپنی نمازوں پہ گر تو ناز کرے

خودی کو جذب کر محوِ نماز یوں ہو جا
کہ خود نماز ہی تیری ادا پہ ناز کرے

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اپنی حالتِ نماز بیان فرماتے ہیں ؎

بخدا خبر نہ دارم چو نماز می گزارم
کہ تمام شد رکوعے کہ امام شد فلانے

اللہ کی قسم مجھے حالتِ نماز میں خبر ہی نہیں رہتی کہ رکوع کب تمام ہوا۔ اور امام کون تھا۔

غالباً شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

بر زباں تسبیح در دل گاؤ خر!
ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر!

تیری زبان پر تو تسبیح ہوتی ہے لیکن دل گائے اور گدھے کے خیال میں ہوتا ہے۔ ایسی تسبیح کیا اثر کر سکتی ہے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

خود ناشناسوں کو خداشناس بنایا جاتا تھا۔ اب وہاں نشے میں چور نام نہاد فقیر کلماتِ کفر بکتے ہوئے محوِ رقص نظر آتے ہیں ؎

پڑی ہیں سب اجڑی ہوئی خانقاہیں
وہ درویش و سلطاں کی اُمید گاہیں

جہاں علمِ باطن کی کھلتی تھیں راہیں
فرشتوں کی پڑتی تھیں جن پر نگاہیں

وہ جذبِ الٰہی کے پھندے کہاں ہیں
وہ اللہ کے پاک بندے کہاں ہیں

جس معاشرے میں شرابیوں، بھنگیوں، چرسیوں، عیاشوں اور بدمعاشوں کو ولی سمجھا جاتا ہو وہاں جو تصورِ عبادت ہوگا بتانے کی ضرورت نہیں۔
خدا کرے ہم اسلام کے تصورِ عبادت کو جان جائیں اور مان جائیں۔ ہمارے قلوب و اذہان لذتِ عبادت سے آشنا ہو جائیں۔ ہماری زبانوں پر ہر وقت خدائے لم یزل کا ذکر رہے، ہمارے دل عشقِ الٰہی سے معمور ہو جائیں۔
حدیثِ پاک ہے۔ فرمایا:
اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔
حدیثِ پاک کے مطابق ہم عبادت کریں تو یوں کہ گویا اپنے رب کو دیکھ رہے ہیں اور اگر اُسے نہ دیکھ سکیں تو یقین رہے کہ وہ تو ہمیں دیکھ رہا ہے۔
دوستو!

یعنی عشق میں کمی واقع نہ ہو۔ جب تک زندہ رہو قدم واپس نہ ہوں۔ وہ عشق جو عشق لازوال نہیں۔ وہ جوان کی ہوسناک خواہش ہی کہا جا سکتا ہے ؎

تو دراو گم شو وصال ایں است و بس
گم شدن گم کن کمال ایں است و بس

یعنی تم محبوب میں فنا ہو جاؤ یہی وصال ہے اور اپنی فنا کو بھی بھول جاؤ۔ بس یہی کمال ہے۔

تصورِ عبادت پر بات کرتے کرتے ثمراتِ عبادت کی طرف نکل آیا۔ فنا اور بقا دراصل تصوف کے دو اہم ترین موضوع ہیں۔ مجھ جیسا کم علم بھلا ان پر کیا تبصرہ کر سکتا ہے۔ ان کی گہرائیوں اور وسعتوں کو وہی بیان کر سکتے ہیں جو معرفتِ الٰہیہ کے بحرِ بے پایاں کے غواص ہیں۔

میں تو ذکر و فکر کی اہمیت واضح کرنا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ پاک کی یاد میں گذارے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

جنت میں اگر کسی چیز کا افسوس اور پچھتاوا ہوگا تو اس وقت پر ہوگا جو دنیا میں اللہ کے ذکر کے بغیر گذر گیا۔

ابنِ عساکر نے وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ آپ پر خوفِ خدا اس قدر طاری رہتا کہ ہر وقت روتے رہتے یہاں تک کہ رخساروں پر آنسوؤں کے نشان پڑ گئے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت زکریا علیہ السلام انہیں تلاش کرنے نکلے تو دیکھا کہ جنگل میں بیٹھے رو رہے ہیں فرمایا:

بیٹے! ہم تیرے لیے بے چین رہتے ہیں اور تو یہاں گریہ و زاری میں مصروف ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے جواب دیا۔

ابا جان۔ آپ ہی نے تو فرمایا ہے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک ایک لق و دق صحرا ہے

بارگاہ میں حاضر ہونے والا ہوں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے گفتگو فرمایا کرتے لیکن جب نماز کا وقت آتا خدائے بزرگ و برتر کی عظمت میں اس قدر مشغول ہوجاتے کہ یوں محسوس ہوتا گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کبھی جانتے اور پہچانتے ہی نہیں تھے۔

(احیاء العلوم)

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب عبادت کے لئے کھڑے ہوتے تو خوفِ الٰہی سے دل کی دھڑکن اتنی تیز ہوجاتی کہ دو دو میل تک آواز سنائی دیتی۔ (احیاء العلوم)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب نماز کا وقت آتا تو کانپنے لگتے اور رنگ مبارک متغیر ہوجاتا لوگ پوچھتے تو فرماتے،

اس امانت کے ادا کرنے کا وقت آیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو اُسے اٹھانے سے سب نے انکار کیا اور انسانوں نے اس کو اٹھایا۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کسی نے پوچھا آپ نماز کس طرح ادا کرتے ہیں؟

فرمایا،

جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو میں کامل وضو کرکے اس جگہ آتا ہوں جہاں نماز پڑھنے کا ارادہ ہو وہاں آکر بیٹھ جاتا ہوں تاکہ میرے تمام اعضاء مطمئن ہوجائیں۔ پھر نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اس حال میں کہ کعبے کو اپنے ابرو کے سامنے، پلِ صراط کو پاؤں تلے، جنت کو داہنی طرف جہنم کو بائیں طرف اور ملک الموت کو پشت کے پیچھے تصور کرتا ہوں اور نماز کو آخری نماز سمجھتا ہوں، پھر خوف و رجا کے ساتھ کھڑا ہو کر اللہ اکبر کہتا ہوں قرأت اچھی طرح پڑھتا ہوں، رکوع و سجود انتہائی خضوع و خشوع کے ساتھ کرتا ہوں پھر سوال بن کر بارگاہِ صمدیت میں بیٹھ جاتا ہوں، پھر میں نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے قبول ہوئی یا نہیں۔

اللہ اکبر کبیرا۔

اس کمال خضوع و خشوع کے باوجود یہ خیال تک نہیں گزرتا کہ حق عبادت و بندگی ادا کردیا۔ ہماری

جتنی عبادتیں ہیں قلم زن کر دو اور مجھے فرمایا جاؤ ہم نے تمہیں اپنے خوف کے صدقے میں بخش دیا۔
حضرت خفیف رحمۃ اللہ علیہ چالیس سال تک رات کو نہ سوئے اور پہلو مبارک تک زمین پر نہ لگایا۔ اتنا روتے کہ رخساروں پر آنسو بہنے کی وجہ سے گوشت پوست نام کو باقی رہ گیا تھا۔

(اسرار الاولیا)

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تیس سال تک نہیں سوئے۔ جب کبھی نیند کا غلبہ ہوتا تو بے ہوش ہو جاتے، ہوش آنے پر فرماتے۔ اے نفس تو نے اللہ کی شان کے مطابق نیکی کا کوئی کام نہ کیا کہ قیامت کو نجات پا سکے۔ جب قرآن پاک پڑھتے۔ عذاب و عقاب والی آیات پڑھ کر اتنا روتے کہ بے ہوش ہو جاتے۔ سنبھلتے تو فرماتے، قیامت کو اگر ابوحنیفہ عذاب سے بچ گیا تو بڑی تعجب والی بات ہوگی۔ (اسرار الاولیا)

حضرت عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ چالیس سال تک خشیتِ الٰہی سے روتے رہے اس دوران انہیں کسی نے بھی کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ آپ ہر وقت روتے کیوں رہتے ہیں؟

فرمایا:
قیامت کا ہیبت ناک منظر نگاہوں کے سامنے رہتا ہے۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ،

"جس دن آدمی اپنے بھائی، ماں باپ، بیوی اور بچوں سے دور بھاگے گا۔"
جس شخص کو ایسے دن کا سامنا کرنا ہو اور اُسے یہ پتا نہ ہو کہ اس کا انجام کیا ہوگا، اسے کبھی ہنسی آ سکتی ہے! بلکہ کبھی چین کی نیند سو سکتا ہے؟ بڑا پتھر دل ہے وہ شخص جو اس دن پر ایمان بھی رکھتا ہے اور پھر برائیاں کرتا ہے۔ (اسرار الاولیا)

ایک عاشق محبوبِ حقیقی کی روح پرواز کر رہی تھی تو آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہے تھے۔ لوگوں نے قریب ہو کر سنا تو کہہ رہے تھے کہ الٰہی میں زندہ رہا تو تیری یاد میں رہا اب مر رہا ہوں تو تیری یاد میں اور کچھ

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

دوستو!

ایک طرف ہم اپنی نمازوں کا جائزہ لیں اور دوسری طرف ان بزرگوں کی نمازوں کا جن کا ذکر ہو چکا ہے تو شاید ہم اپنی نمازوں کو نماز ہی نہ کہہ سکیں نماز میں صرف ہمارے جسم حاضر ہوتے ہیں دل اور دماغ کسی غیر کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ نیت تو کی کہ بندگی اللہ کی لیکن سر خیال غیر میں جھکا

حدیث پاک میں ہے۔ لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ مِنْ عَبْدٍ عَمَلاً حَتّٰی یَشْھَدَ قَلْبُہٗ مَعَ بَدَنِہٖ۔ (مسند فردوس بروایت ابی بن کعب رض)

یعنی بندے کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔ جب تک اُس کا دل جسم کے ساتھ حاضر نہ ہو۔

جو لوگ زندگی کو امانت سمجھتے ہیں اور ذوق عبادت سے آشنا ہیں۔ اُن کے قال میں کسی غیر کا ذکر نہیں ہوتا اور حال میں کسی غیر کا گذر نہیں ہوتا۔ وہ بارگاہِ احدیت میں حاضر ہو کر اپنے آپ سے بھی گذر جاتے ہیں یہی وہ مقام ہے جسے فناء فی اللہ کہا جاتا ہے۔ حالت مجاہدہ میں ہوتے ہیں تو لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہ کا ورد زبان پر ہوتا ہے لیکن جب مقام مجاہدہ سے اٹھا کر مقام مشاہدہ پر فائز کر دیئے جاتے ہیں تو لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہ کی صدائیں دینے لگتے ہیں مقام فناء پر ان کی کیفیت کچھ یوں ہو جاتی ہے۔

بقول شخصے

بند تھیں آنکھیں کسی کی یاد میں
موت آئی اور دھوکہ کھا گئی!

لیکن یہ فناء ایسی نہیں کہ زوال پذیر ہو بلکہ فناء فی اللہ ترقی پا کر باقی باللہ کی صورت اختیار کر جاتی ہے ؎

آں عشق کہ بود کم نہ گردد
تا باشد ازاں قدم نہ گردد
عشقے کہ نہ عشق جاوداں است
بازیچۂ شہوت جواں است!

کا دوسرا نام ہے اور مشاہدے ہی سے یقینِ کامل حاصل ہوتا ہے۔ تو اس بنا پر دونوں ترجموں میں کوئی تضاد نظر نہیں آتا۔

حدیثِ پاک میں ہے :

شہید کو شہادت کے وقت دیدارِ الٰہی نصیب ہوتا ہے۔"

جہاد کی کئی قسمیں ہیں جن میں سے دو یہ ہیں :

جہاد بالکفار اور جہاد بالنفس ؛

کتبِ احادیث میں ہے کہ حضور جب کسی غزوے سے واپس لوٹتے تو فرماتے۔

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ

ہم جہادِ اصغر (جہاد بالکفار) سے جہادِ اکبر (جہاد بالنفس) کی طرف لوٹے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اے شہاں کشتیم ما خصمِ بروں
ماند زو خصمے بتر در اندروں ؛

قد رجعنا من جہاد الاصغریم
ایں زماں اندر جہادِ اکبریم ؛

یعنی اے شہنشاہو! ہم نے میدانِ جنگ میں تو اپنے دشمن کو مات کر لیا لیکن اس سے کہیں زیادہ خطرناک دشمن (نفس) ابھی تک زندہ سلامت ہمارے اندر چنگھاڑ رہا ہے۔ کفار سے نپٹ لینے کے بعد ہم اپنے نفس سے برسرِ پیکار ہیں۔ گویا ہم چھوٹے سے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ آئے ہیں"۔

حدیث کی رو سے اگر شہیدِ تیغِ کفار کو جو جہادِ اصغر میں ہے۔ شہادت کے وقت دیدارِ الٰہی نصیب ہوتا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شہیدِ تیغِ عشق کو جو جہادِ اکبر میں ہے مرتے وقت دیدارِ الٰہی نصیب نہ ہو۔ اس حدیثِ پاک کے تحت بھی دونوں ترجموں میں مطابقت نظر آتی ہے۔ یہ چونکہ ایک الگ موضوع ہے اس لئے میں زیادہ تشریح نہیں کروں گا مگر ہر موضوع کے ضمن میں اس قسم کی کچھ تصریحات کرنی پڑتی

جو خشیت ایزدی میں آنسو بہائے بغیر طے نہیں ہوتا اور جنت تک رسائی نہیں ہوتی۔ یہ سن کر حضرت زکریا علیہ السلام بھی رونے لگے۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں میں نے شیخ جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیکھا کر بیٹھے خشک ستو پھانک رہے ہیں اور پانی پی لیتے ہیں۔ میں نے عرض کی حضرت آپ آٹا گوندھ کر روٹیاں کیوں نہیں پکا لیتے تو شیخ رحمۃ اللہ علیہ رو پڑے۔

فرمایا سری رحمۃ اللہ علیہ جتنی دیر روٹیاں پکانے اور لقمے چبانے میں لگتی ہے اتنی دیر میں میں ستر مرتبہ سبحان اللہ کہہ لیتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ اتنی دیر کے لئے بھی اللہ پاک کے ذکر سے غافل ہو جاؤں۔ سری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں نے پوچھا کتنے عرصے سے یہ معمول ہے۔ فرمایا خدا کی قسم چالیس سال ہو گئے ہیں جب بھوک لگتی ہے ستو پھانک کر پانی پی لیتا ہوں اور کوئی لمحہ اللہ پاک کے ذکر کے بغیر نہیں گزارتا ہے۔

وہ ہستیاں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں؛
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

اسرار الاولیاء میں ہے کہ ایک بزرگ تھے جو چالیس سال تک خوفِ الٰہی میں روتے رہے جب موت کا ذکر کرتے۔ پتے کی طرح کانپنے لگتے یہاں تک کہ بے ہوش ہو جاتے۔ ہوش میں آتے تو یہ آیت کریمہ پڑھتے؛

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَّ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ۝

نیک لوگ جنتِ نعیم میں ہوں گے اور بدکار لوگ دوزخِ جحیم میں) چیخ مارتے پھر بے ہوش ہو جاتے جب ہوش میں آتے تو فرماتے معلوم نہیں میں کس گروہ سے ہوں گا۔ مجھے کون سی قطار میں کھڑا کیا جائے گا جب وفات پا گئے تو کسی نے خواب میں دیکھے، پوچھا حضرت بارگاہِ الٰہی میں آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا فرمایا وہی جو دوستوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ مگر جب مجھے عرشِ الٰہی کے نیچے لے جایا گیا تو اللہ پاک نے پوچھا درویش تم اتنا روتے کیوں تھے۔ کیا تم نہ جانتے تھے کہ ہم رحمٰن و غفار ہیں، میں نے عرض کی الٰہی تیری شانِ جباری کے خوف سے روتا تھا۔ جب میں نے یہ عرض کی تو اللہ پاک نے فرشتوں کو فرمایا! اس کے نامۂ اعمال میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص محفل سے اُٹھ کر یہ دُعا پڑھ لے تو اس محفل کے گناہوں کا کفارہ ادا ہو جائے گا۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آدمی بُری محفلوں میں جان بوجھ کر جائے اور واپسی پر یہ دُعا پڑھ لے تو کفارہ ادا ہو جائے گا۔

یہ اُن تمام محفلوں کے لئے ہے جو ہمارے عزیز، احباب یا دوستوں کے ہاں ہوتی ہیں یا اپنے گھر میں دوست یار آجائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

دو مسلمان بھی مل کر بیٹھیں اور دین کی کوئی بات نہ کریں، دنیا کی باتیں کریں اور اٹھ کر چلے جائیں تو ان کا اٹھنا ایسا ہے جیسا کہ گدھے کا گوشت کھا کے اٹھے۔

بعض بزرگ جب کسی محفل میں لوگوں کو صرف دنیا کی باتیں کرتے دیکھتے تو اللہ کی بارگاہ میں عرض کرتے الٰہی ہم اس بات سے پناہ مانگتے ہیں کہ ان جیسے ہو جائیں۔

حضرت رابعہ بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مجلس میں ایک شخص آیا اور کافی دیر تک دنیا کو بُرا بھلا کہتا رہا۔ آپ نے فرمایا:

تو خود دنیا دار ہے کیونکہ:

مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ۔

جس کو جس چیز سے محبت ہوتی ہے اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے، اور تو جب سے آیا ہے دنیا کا ہی ذکر کر رہا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح و شام پچیس پچیس مرتبہ یہ دُعا اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لِیْ فِی الْمَوْتِ وَفِیْ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ۔ پڑھتا ہے، مرجائے تو شہادت کی موت مرتا ہے۔

اللہ اکبر! قربان جائیں خدا کی رحمتوں کے۔

کسی نے بہت خوب کہا ہے

رحمت حق بہا نہ می طلبد　　رحمت حق بہا نمی طلبد

قیامت کو اٹھوں گا تو تیرے نام کا ورد کرتے ہوئے اٹھوں گا۔ پھر زور سے "اللہ" کہا اور جان دے دی

آیم بسر کوئے تو پویاں پویاں ؛

تا جاں بدہم نام تو گویاں گویاں ،

رخسارہ ز آب دیدہ شویاں شویاں

ہنجار وصالِ یار جویاں جویاں !

"میں دوڑا دوڑا تیری گلی میں آیا تاکہ تیرے نام کا ورد کرتے کرتے جان دے دوں۔ آنسوؤں سے رخساروں کو دھوتے ہوئے وصالِ یار کے راستے تلاش کر رہا ہوں۔

(اسرار الاولیاء)

ذکرِ خدا کرتے ہوئے جان کا نذرانہ پیش کرنے کا تصور قرآنِ حکیم کی اس آیت سے بھی ملتا ہے۔

ارشاد فرمایا :

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ٥

"اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے موت آجائے۔"

"بعض مفسرین نے اس آیت کا ترجمہ یہ بھی کیا ہے جو سیاق و سباق کے حوالے سے زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔

"اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے ایقان نصیب ہو جائے۔"

یعنی مقامِ مجاہدہ سے اٹھا کر مقامِ مشاہدہ پر فائز کر دیا جائے۔

بہرحال دونوں ترجموں سے عبادت کی اہمیت واضح ہے۔

اور اگر آپ غور فرمائیں تو دونوں ترجموں میں مطابقت بھی نظر آئے گی کیونکہ موت بھی تو محبوب حقیقی سے ملاقات کا ایک ذریعہ ہے۔ کیونکہ

اَلْمَوْتُ جِسْرٌ يُوْصِلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ ٥

موت ایک پل ہے جسے عبور کر کے دوست، دوست کا وصال حاصل کرتا ہے۔ وصال مشاہدے ہی

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ جو جوان ہو جائے اور شادی کی استطاعت بھی ہو تو شادی کرے۔ اگر استطاعت نہیں رکھتا تو روزے رکھا کرے۔ روزہ اس کے نفس کو مار دے گا۔

غالباً ترمذی شریف میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ یَّضْمَنُ لِیْ مَا بَیْنَ لِحْیَیْهِ وَمَا بَیْنَ رِجْلَیْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ۔

جو مجھے اپنی زبان اور شرم گاہ کی حفاظت کی ضمانت دیتا ہے۔ میں اُسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ زبان کو انگلیوں میں پکڑ کر موڑ توڑ رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے۔ عرض کی حضرت یہ کیا کر رہے ہیں۔ فرمایا عمرؓ میں جب بھی کسی مصیبت میں گرفتار ہوا ہوں اس کی وجہ سے ہوا ہوں۔

حضرت بابا بلھے شاہ قصوری رحمۃ اللہ علیہ نفس کی مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

کن فیکون جدوں فرمایا اسیں اودوں وی کولے ہا سے
تاں وا بلی اساں کنیں سنیاں گونگے ڈورے تا سے
لا مکان سی وطن اساڈا آن بتاں وچ پھا سے
نفس پلیت پلیت جا کیتا اصل پلیت تے تا سے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ پڑھتے تو یہ الفاظ اکثر پڑھتے۔

وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا

آج بھی اکثر علماء کرام خطبوں میں یہ الفاظ پڑھتے ہیں۔

نفس کی کئی اقسام ہیں:

مثلاً نفس امارہ، نفس لوّامہ، نفس ملہمہ، نفس مطمئنۃ وغیرہ۔ ہر قسم کا ایک اپنا درجہ ہے۔ جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ بہرحال پہلے جس نفس کے ساتھ پالا پڑتا ہے وہ نفس امارہ ہے۔ یہ سدھر جائے تو مزید ترقی ہوتی رہتی ہے حتیٰ کہ آخر نفس مطمئنۃ کا طور پر منتج ہوتی ہے جہاں پہنچ کر

ہیں تاکہ قاری کے ذہن میں اٹھنے والے شکوک و شبہات کا ساتھ ساتھ ازالہ ہوتا جائے۔

اب میں اس مضمون کو سمیٹتے ہوئے چند مسنون دعائیں ذکر کرنا چاہتا ہوں تاکہ انہیں یاد کر کے ہر شخص اپنی نشست و برخاست، کھانے پینے اور سونے جاگنے کو حصولِ ثواب کا ذریعہ بنا سکے۔

عشاء کی نماز پڑھ کر جب بستر پر دراز ہوں تو ایک مرتبہ پڑھ لیں۔

اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيَاهُ

اور اس نیت کے ساتھ سو جائیں کہ صبح کی نماز میں پھر بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونا ہے۔ تو آپ کا سونا بھی عبادت بن جائے گا۔

جب بیدار ہوں تو کہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَآ اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ الْبَعْثُ وَالنُّشُوْرُ۔

شام ہو تو پڑھیں:

اَللّٰهُمَّ بِكَ اَمْسَيْنَا وَبِكَ اَصْبَحْنَا وَبِكَ نَحْيَا وَبِكَ نَمُوْتُ وَاِلَيْكَ النُّشُوْرُ۔

صبح ہو تو یہ دعا اس طرح پڑھیں:

اَللّٰهُمَّ بِكَ اَصْبَحْنَا پہلے لگا کر باقی شام والی دعا پڑھ لیں۔ تو صبح سے شام تک کوئی بھی جائز کام کریں گے تو ثواب لکھا جائے گا۔

حدیثِ پاک میں ہے آدمی کا اپنے اہل و عیال کے لئے رزقِ حلال کمانا بھی صدقہ ہے۔

ظاہر ہے رزقِ حلال کمانے کے لئے جتنے بھی جائز ذرائع استعمال کئے جائیں گے، صدقہ ہی قرار پائیں گے۔

جب کسی محفل سے اٹھیں تو پڑھیں:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ

وہ تیرے کاتنے کے دن کہاں ہیں
گئی بیکار سب تیری جوانی
کہا تھا میں نے چرخے سے لگا دل
مگر تو نے نہ میری بات مانی

غالباً مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

دلا برخیز طاعت کن کہ طاعت بہ زہر کار است
سعادت آں کسے دارد کہ وقت صبح بیدار است
خروساں در سحر گویندہ قُمْ یَا اَیُّھَا الْغَافِلْ
تو از مستی نمے دانی کسے داند کہ ہوشیار است

اے دل اُٹھ اپنے رب کی اطاعت میں لگ جا کہ اطاعت ہر کام سے بہتر ہے سعادتمند ہے وہ شخص جو صبح کے وقت بیدار ہو جاتا ہے (صبح سے مراد جوانی بھی لی جاتی ہے) سحری کے وقت پرندے چہچہا کر کہتے ہیں کہ اے غافل اٹھ تو مستی میں منزل کا سراغ نہیں لگا سکتا منزل پر وہی پہنچتا ہے جو ہوشیار ہوتا ہے (مستی سے مراد بڑھاپا بھی لیا جاتا ہے)

ایک بزرگ تھے۔ ان کا بیٹا بے عمل تھا انہوں نے اُسے فرمایا:

بیٹا آئندہ تو شام کے وقت اپنے تمام اعمال کا مجھے حساب دے گا۔ دن کہاں گزارا۔ کیا کیا کام کیے۔ کیا کیا باتیں کیں۔ اس نے کہا ٹھیک ہے۔ جب شام کو گھر آیا۔ ان بزرگ نے فرمایا:

آؤ اور مجھے حساب دو۔ لڑکے نے دو چار باتیں بتائیں اور خاموش ہو گیا۔ فرمایا بیٹا خاموش کیوں ہو گئے حساب دو۔ کہنے لگا ابا جان یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکے گا۔ بہت مشکل ہے۔ فرمایا، بیٹا ذرا سوچو تو سہی۔ تم اپنے باپ کو ایک دن کا حساب نہیں دے سکے۔ تو کل میدانِ قیامت میں جب سورج سوا نیزے پر ہوگا۔ زمین تانبے کی طرح ہوگی۔ ہوش و حواس گم ہو جائیں گے۔ اپنے قہار و جبّار رب کو زندگی بھر کا حساب کیسے دو گے۔

جب نفس کسی گناہ پر ابھارے تو یہ الفاظ پڑھنے سے بفضلِ اللہ تعالیٰ شیطانی وساوس زائل ہو جاتے ہیں۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَرُسُوْلِہٖ ھُوَالْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔

نفس انسان کا دشمن ہے اگر اسے تھوڑی سی بھی ڈھیل دی جائے تو منہ زور گھوڑے کی طرح جدھر چاہے نکل دوڑتا ہے۔ بڑے بڑے عالموں کی دولتِ ایمان، دولتِ دنیا کی چمک دکھا کر چھین لیتا ہے انسان اگر اس کے کہے پر چلے تو ذلّت و رسوائی کی اس گہری کھائی میں پھینک دیتا ہے کہ جہاں خدائے لم یزل بھی دست گیری نہیں فرماتا۔ کیونکہ یہ سزا بھی اُسی کی نافرمانی کا باعث ہوتی ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مَنْ کَثُرَ شِبَعُہٗ کَثُرَ لَحْمُہٗ وَمَنْ کَثُرَ لَحْمُہٗ کَثُرَتْ شَھْوَتُہٗ وَمَنْ کَثُرَتْ شَھْوَتُہٗ قَسٰی قَلْبُہٗ وَمَنْ قَسٰی قَلْبُہٗ غَرِقَ فِیْ اٰفَاتِ الدُّنْیَا وَزِیْنَتِھَا

یعنی جو پیٹ بھر کر کھائے۔ اس کا گوشت بڑھے اور جس کا گوشت بڑھے اس کی شہوت زیادہ ہو اور جس کی شہوت زیادہ ہو اس کا دل سخت ہو جائے اور جس کا دل سخت ہو جائے۔ وہ دنیا کی مصیبتوں اور زیب و زینت میں غرق ہو جائے۔

اسی لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

اَلصَّوْمُ جُنَّۃٌ

روزہ (گناہوں کے خلاف) ڈھال ہے

کیونکہ روزہ رکھنے سے نفس بھوکا رہتا ہے اس لئے کمزور ہو جاتا ہے۔ اور پھر اسے آسانی سے راہِ راست پر لایا جا سکتا ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیال ست و محال ست و جنوں؛

ہم خدا کو بھی چاہتے ہیں اور کمینی دنیا کو بھی چاہتے ہیں۔ یہ محض خیال ہے، محال ہے، اور پاگل پن ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلدُّنْیَا جِیْفَۃٌ وَطَالِبُھَا کِلَابٌ

دنیا ایک مردار ہے اور اس کے طالب کتے ہیں۔ اس سے زیادہ دنیا کی اور مذمت کیا ہو سکتی ہے۔ خدا کرے ہم دنیا کے بکھیڑوں اور جھمیلوں سے اپنے قلوب و اذہان کو پاک کر کے ذکر الٰہی کے خوگر بنا دیں۔ ہمارے دن اطاعت الٰہی میں گزریں اور ہماری راتیں عبادت الٰہی میں بسر ہوں تاکہ ہم وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ کی عملی تفسیر پیش کر سکیں۔ آمین یا رب العالمین۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات
(اقبالؒ)

داغِ سجود تیری جبیں پر بنا تو کیا
کوئی ایسا سجدہ کر کہ زمیں پر نشاں رہے۔

یہ صدائے دلنواز مشامِ جاں کو معطر کرتی ہے۔

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِىۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ ۝ (الفجر ۲۷ تا ۳۰)

ترجمہ:

اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو اور میری جنت میں آ۔

(ترجمہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ)

نفس امارہ کو سدھارنے کے لئے شدید جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ شاہراہِ زندگی پر بڑا پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ ہر روز اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا پڑتا ہے تاکہ ہر آنے والا دن گزشتہ دن سے مزید بہتر ہوتا جائے۔

سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس کا آج اس کے گزشتہ کل سے بہتر نہیں وہ فنا ہو گیا۔"

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گزشتہ کل کے اعمال کا محاسبہ کرکے آج کے دن گزشتہ کل کی برائیوں کو ترک اور نیکیوں میں اضافہ نہیں کرتا تو وہ تباہ ہو جائے گا۔ کیونکہ زندگی تو گزرتی جا رہی ہے معلوم نہیں موت کا نقارہ کس وقت بج جائے۔ اگر آج اپنی اصلاح نہیں کرے گا اور گناہوں سے سچی توبہ نہیں کرے گا تو پھر کس وقت کرے گا۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

تجھے اونیند کے ماتے ہوا کیا
نہ تو ہوگا نہ یہ اعجاز ہوگا
جو گانا ہو تو گالے آج کی رات
کہ کل ٹوٹا ہوا یہ ساز ہوگا

بداعمال بوڑھوں کو یوں ملامت کرتے ہیں:

شرعی اصطلاح میں اللہ پاک کے خوف سے نفس کو شرعی حدود کے اندر رکھ کر ہر غیر شرعی اور ناپسندیدہ فکر و عمل سے بچانا تقویٰ کہلاتا ہے۔ اس کے علاوہ تقویٰ کی جو انتہائی تعریف کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر وہ عمل (جس میں قول و فعل اور سوچ سب شامل ہیں) جو رضائے الٰہی اور قربِ الٰہی کا باعث ہو کرنا اور ہر وہ عمل جو غضبِ الٰہی اور اللہ پاک سے دوری کا باعث ہو نہ کرنا تقویٰ کہلاتا ہے۔

فقط جنّت کے لالچ میں یا جہنم کے خوف سے عبادت کرنے والا شخص متقی نہیں ہو سکتا کیونکہ تقویٰ دل کی اس کیفیّت کا بھی نام ہے جس میں صرف اور صرف اللہ پاک کی خوشنودی اور رضا کی طمع اور اس کی ناراضگی اور ناگواری کا خوف ہوتا ہے۔

حدیث پاک میں ہے:

اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ

ایمان خوف اور رجا کے درمیان ہے۔ ایک طرف اللہ پاک کی ناراضگی کا خوف ہو دوسری طرف اس کی رحمتوں کی امید اور طلب ہو تو شمعِ ایمان روشن ہو جاتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ خوف بھی صادق ہو اور رجا بھی صادق ہو ورنہ ؎

زباں سے کہہ بھی دیا لَاۤ اِلٰہَ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

تقویٰ فی الحقیقت کمالِ ایمان کا نام ہے جس کا ایمان کامل ہو گیا متقی بن گیا۔ کیونکہ حدیث پاک کی رو سے جیسا کہ ابھی عرض کرتا ہوں جو چیزیں ایمان کو اپنی حدِّ کمال تک لے جاتی ہیں۔ وہی چیزیں تقویٰ کی شرائط کے طور پر پیش کی جاتی ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ وَاَعْطٰی لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ ○

جس نے اللہ کے لیے دوستی کی اور اللہ کے لیے دشمنی کی اور کسی کو کچھ عطا کیا تو اللہ کے لیے اور

اس لڑکے پر اپنے والد کی نصیحت کا اتنا اثر ہوا کہ ہمیشہ کے لیے بدعملی سے توبہ کرکے ایک متقی اور صالح انسان بن گیا۔

دوستو!

یہ مسئلہ صرف اُس لڑکے کا نہیں تھا۔ آج ہم سب بھی بدعملی کا شکار ہیں۔ ہمارے لئے بھی یہ حکایت تازیانۂ عبرت ہے۔

جو لوگ بارگاہِ خداوندی کے جاہ جلال کو جانتے ہیں ان کو کبھی چین سے نیند نہیں آتی۔ وہ ہر وقت اس فکر میں رہتے ہیں کہ کل جب عدالتِ قہار وجبار میں پیشی ہوگی تو کیسے حساب دیں گے اور کیا منہ دکھائیں گے۔

حضرت شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؛

ایک دفعہ میں غزنی میں ایک بزرگ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ وہاں ایسا دل لگا کہ واپس آنا مشکل ہوگیا۔ چھ ماہ تک ان کی خدمت میں رہا۔ اس عرصے میں ایک مرتبہ بھی ان کی زبان سے دنیا کا ذکر نہیں سنا۔ ہر وقت ذکر و فکر اور گریہ و زاری میں مصروف رہتے۔

میں نے گریہ و زاری کی وجہ پوچھی تو فرمایا؛

تقریباً تیس برس ہونے والے ہیں کہ ایک دن ایک درویش میرے پاس آیا اور دنیا کی باتیں کرنا شروع کر دیں۔ میں بھی اس کے ساتھ مشغول ہوگیا۔

غیب سے آواز آئی "اے فقیر! یا تو دنیا کی بات چلے گی یا ہماری"۔

بس میں اسی دن سے اس شرمندگی کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ کہ کل قیامت کے دن میں پروردگار کو کیا منہ دکھاؤں گا۔

(اسرارالاولیا)

اللہ اکبر کبیراً۔

صرف چند منٹ دنیا کی باتیں کیں تو اللہ پاک نے گوارا نہ کیا اور آج ہم ہیں کہ صرف دنیا ہی کی باتیں کرتے ہیں۔ ہمارے ساتھ اللہ کی ناراضگی اور ناگواری کا کیا عالم ہوگا۔ (معاذاللہ)

بجھا دوں اور جنت کو جلا دوں تاکہ جو لوگ جنت کے لالچ میں عبادت کرتے ہیں۔ وہ صرف رضائے الہٰی کی خاطر عبادت کریں اور جو لوگ جہنم کے خوف سے عبادت کرتے ہیں وہ بھی صرف اللہ کی ناراضگی کے خوف سے عبادت کریں۔ عبادت کریں لیکن فقط اس کے لیے کریں جس کی عبادت کر رہے ہیں۔ کسی نے بڑی مزے کی بات کی ہے ؎

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے
اے بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ بارگاہِ رب العزت میں عرض کی اے مالک الملک مجھے بتا کس کام میں تیری رضا ہے تاکہ میں وہی کام کروں۔ آواز آئی؛ موسیٰ میری قضا پر راضی رہنا ہی میری رضا ہے۔

انسان جب قضائے الہٰی پر راضی ہو جاتا ہے تو مقامِ راضیہ سے اٹھا کر مقامِ مرضیہ پر فائز کر دیا جاتا ہے جہاں نیاز ناز میں بدل جاتا ہے کیونکہ یہ مقامِ محبوبیت ہے۔ اللہ پاک محب بن جاتا ہے اور بندہ محبوب بن جاتا ہے۔ پہلے تو یہ بندہ قضا پر راضی رہتا تھا۔ اب اس کی رضا ہی اللہ کی قضا بن جاتی ہے۔ مقامِ راضیہ پر تھا۔ تو یہ نوشتۂ تقدیر کو دیکھ کر قدم اٹھاتا تھا۔ اب مقامِ مرضیہ پر ہے تو ادھر اس کے ہونٹ ہلتے ہیں۔ اُدھر خدا کی تقدیر بن جاتی ہے۔

اسی مقام کے لئے علامہ حضرت اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اس مقام پر پہنچ کر کلام تو بندہ کرتا ہے لیکن بقول رومی رحمۃ اللہ علیہ ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

یعنی اس کا بولنا اللہ کا بولنا ہو جاتا ہے۔ اگرچہ بات عبد اللہ کے حلق سے نکلتی ہے۔ یہ باتیں حال کی تھیں۔ میں پھر قال کی طرف لوٹتا ہوں۔ تو بات تقویٰ کی ہو رہی تھی۔

تقویٰ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ
صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ ۰

حضرات!

اللہ پاک کی توفیق سے میں نے جو الفاظ تلاوت کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ ان میں اللہ پاک نے تقویٰ کی عظمت و رفعت کو بیان فرمایا ہے۔ اس سے پہلے کہ میں تقویٰ کے مدارج، اقسام اور معنوی حقائق و معارف بیان کروں، تقویٰ کا لغوی معنی اور مفہوم بیان کرنا چاہتا ہوں۔

تقویٰ کا لفظ وَقٰی یَقِیْ وِقَایَۃً باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے بنا ہے جس کا معنی ہے۔ ڈرنا، بچنا، پرہیز کرنا، حفاظت کرنا، نگرانی کرنا یا کسی کام کو ٹھیک طرح سے انجام دینا۔ یہ وہ مختلف معانی ہیں جو تقویٰ سے مراد لئے جاتے ہیں۔ تقویٰ کا لفظی معنی مطلق ڈرنا ہے جس کا مطلب ہے نفس کو ہر خوف والی چیز سے بچانا۔

نہ جا اس کے تحمل پر کہ بے ڈھب ہے گرفت اس کی
ڈر اس کی دیر گیری سے کہ سخت ہے انتقام اس کا

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ سے ڈرو۔ قہر خداوندی کو آواز مت دو، حد سے بڑھو گے تو تباہ کر دیئے جاؤ گے۔ اپنی اصلیت کو بھولو گے تو ذلیل و رسوا کر دیئے جاؤ گے۔

لَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا۔

خدا کی زمین پر اکڑ کر نہ چلو بے شک ایسا چل کر نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔

اس دن سے ڈرو جس دن کئی حسین جو اپنے حسن پر غرور کرتے تھے معذور کر دیئے جائیں گے۔ کئی عزت دار بے عزت ہو جائیں گے کئی اپنے اپنے وقت کے فرعون اور یزید رسوا کر کے جہنم میں اوندھے منہ پھینک دیئے جائیں گے۔ اس دن سے ڈرو جس دن لباسِ فقر میں چھپے ہوئے کئی نام نہاد پیروں اور فقیروں کو بے نقاب کر دیا جائے گا جس دن بے عمل علماء اور خطباء کی زبانوں کو آگ کی قینچیوں سے کاٹا جائے گا جو لوگوں کی دولتِ ایمان کو لوٹتے تھے جو اپنے گندے کردار کی بدولت جبینِ اسلام پر ایک بدنما داغ تھے۔ جو قرآنی آیات کے تقدس کو اپنی خود ساختہ غلط تاویلوں سے مجروح کیا کرتے تھے۔ اپنے جرموں اور گناہوں کی مکروہ داستاں میں اپنے ہم مشربوں میں بیٹھ کر مخبریہ انداز میں بیان کیا کرتے تھے۔ جو مساجد اور مدارس کے لیے چندہ جمع کرتے تو خدا کے گھر سے پہلے کوٹھیاں تعمیر کر لیتے تھے۔ جو غیر ملکی ڈالروں پر اپنی ایمانی غیرت و حمیت کا سودا کیا کرتے تھے جو منبرِ نبوت پر کھڑے ہو کر اپنے ضمیر کو نیلام کیا کرتے تھے۔ جن کے قول و عمل میں تضاد تھا جو خدا کو چھوڑ کر دولت کے بھکاری بن گئے تھے۔ آج ان کے غلیظ چہروں کو بے نقاب کر دیا جائے گا کیونکہ آج بدلے کا دن ہے آج عدل و انصاف کا دن ہے آج جزا و سزا کا دن ہے آج ظالموں کو ان کی ہر آہ کی قیمت دی جائے گی۔ آج یتیموں کو ان کے آنسوؤں کا بدلہ دیا جائے گا آج وہ ہاتھ توڑ دیئے جائیں گے جو غریبوں کی عزتوں سے کھیلا کرتے تھے۔ آج وہ آنکھیں بے نور کر دی جائیں گی۔ جو عفت مآب بیبیوں کا تعاقب کیا کرتی تھیں۔ آج وہ پیٹ آتشِ جہنم سے بھر دیئے جائیں گے جو

کسی سے کچھ روکا تو اللہ کے لیے۔ اُس نے بلاشبہ ایمان کامل کر لیا۔

جن چند افعال کا ذکر اس حدیثِ پاک میں کیا گیا ہے یہ کمالِ ایمان تک پہنچانے کے زینے بھی ہیں اور کمالِ تقویٰ تک پہنچانے کے بھی۔

کیونکہ ذاتِ احدیت کے ساتھ جب کسی بندے کی محبت اپنی منتہائے کمال کو پہنچ جاتی ہے تو اس وقت بندے کی ذات فناہ فی اللہ ہو جاتی ہے۔ پھر اس کا کوئی قول اور کوئی فعل اپنے نفس کے لئے نہیں ہوتا بلکہ فقط اللہ کے لئے ہوتا ہے۔ مثلاً

غزوۂ خندق کے موقع پر جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقابلہ ایک دشمن اسلام سے ہوا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو گرا لیا اور اس کے سینے پر بیٹھ گئے۔ قریب تھا کہ آپ اس کا سرتن سے جدا کر دیتے۔ اُس بدبخت نے آپ کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے سکون سے اس کے سینے پر سے اُٹھے۔ اپنا چہرہ مبارک صاف کیا اور فرمایا:

یاد رکھو، میں کسی ذاتی غرض کی بنا پر نہیں بلکہ صرف اللہ کی رضا کے لئے قتل کرتا ہوں۔ اب چونکہ تم نے میرے چہرے پر تھوک دیا ہے اس لیے ہو سکتا ہے میرا تمہیں قتل کرنا ذاتی بدلہ ہو جائے لہٰذا جاؤ میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔

اللہ اکبر کبیراً۔

قربان جائیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمالِ ایمان پر اور کمالِ تقویٰ پر کہ ایک معمولی سی احتیاط کو دیکھ کر اتنے بڑے دشمن کو چھوڑ دیا۔ کہ کہیں ذاتی غصہ مجھے حقیقی اجر و ثواب سے محروم نہ کر دے۔

حضرت اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ؎

جس کا عمل ہو بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گزر بادہ و جام سے گذر

روایت ہے کہ کسی نے حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھا (آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فناہ فی اللہ کے مقام پر فائز تھیں) کہ ایک ہاتھ میں پانی سے بھرا ہوا پیالہ ہے اور دوسرے ہاتھ میں آگ سے بھرا ہوا پیالہ ہے۔ پوچھا حضرت آج کیا ارادہ ہے۔ فرمایا جی چاہتا ہے جہنم کو

اَقْتَابُہٗ فِی النَّارِ فَیَطْحَنُ فِیْھَا کَطَحْنِ الْحِمَارِ بِرَحَاہٗ فَیَجْتَمِعُ اَھْلُ النَّارِ عَلَیْہِ فَیَقُوْلُوْنَ یَا فُلَانُ مَا شَانُکَ اَلَیْسَ کُنْتَ تَاْمُرُنَا بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْھَانَا عَنِ الْمُنْکَرِ قَالَ کُنْتُ اٰمُرُکُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لَا اٰتِیْہِ وَ اَنْھَاکُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ اٰتِیْہِ۔

ترجمہ:

قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا۔ اُسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اس کی انتڑیاں آگ میں چلی جائیں گی۔ وہ اپنے پاؤں تلے پیسے گا جس طرح گدھا چکی چلا کر دانے پیستا ہے۔ دوزخی اس کے اردگرد جمع ہو جائیں گے اور پوچھیں گے کہ اے فلاں تیرا یہ حال کیوں ہے؟ تُو تو ہمیں نیکی کا حکم دیا کرتا تھا۔ اور برائی سے منع کیا کرتا تھا وہ کہے گا میں تمہیں تو نیکی کا حکم کرتا تھا لیکن خود اس طرف نہیں آتا تھا۔ میں تمہیں تو برائی سے منع کرتا تھا لیکن خود برائی کرتا تھا۔

قرآن کہتا ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔

ترجمہ:

اے ایمان والو! وہ باتیں کیوں کہتے ہو جن پر تم خود عمل نہیں کرتے۔

ایک اور جگہ فرمایا:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ہ

(بقرہ: ۴۴)

قرآن پاک میں ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ٥

"اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان ہو کر۔"

حَقَّ تُقَاتِهِ کے الفاظ بہت معنی خیز ہیں۔ اللہ سے ڈرنے کا حق یہ ہے کہ جہاں رہو اس سے ڈرتے رہو جس حال میں رہو۔ اُس سے ڈرتے رہو۔

بقول ظفر ؎

ظفر آدمی اس کو نہ جانیئے گا ہو وہ کتنا ہی صاحب فہم و ذکا!
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

کسی اور شاعر نے بھی خوب کہا ؎

نمی گویم کہ از عالم جدا باش
ولے ہر جا کہ باشی با خدا باش

میں یہ نہیں کہتا کہ دنیا سے الگ ہو جاؤ۔ لیکن جہاں رہو اللہ پاک کے ہو کے رہو۔ ایسا نہ ہو کہ دولت و شوکت کا نشہ تمہیں فرعون اور قارون بنا دے۔ تختِ حکومت پر آؤ تو یزید بن کر عظمتِ آدمیت کو پامال کرتے پھرو اور ننگِ انسانیت بن جاؤ۔ خبردار کہیں قوتِ بازو پر بھروسہ کرتے ہوئے کسی غریب کی بیٹی کے سر سے عزت کی چادر اتارنے کی غلطی کر بیٹھو یا کسی مفلس کی گریبان تک تمہارے ہاتھ پہنچیں۔ سلامتی چاہتے ہو تو بندے بن کر رہو۔ اگر تمہارا کوئی غلام ہے تو مت بھولو کہ تم بھی کسی کے غلام ہو۔ اگر تم کسی سے بڑے ہو تو یاد رکھو کہ تم سے بڑا بھی کوئی ہے۔ اگر تمہارا کوئی مجرم ہے تو دھیان رہے کہ تم بھی کسی کے مجرم ہو۔

وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ۔

والوں سے مت بنو ؎

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۔

ترجمہ :

وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں۔ اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو۔

(ترجمہ اعلیٰ حضرت)

اس آیت میں قرآنِ پاک کا هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ہونا بیان فرمایا۔ اس کی تفسیر میں مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ :

" اگرچہ قرآنِ کریم کی ہدایت ہر ناظر کے لئے عام ہے مومن ہو یا کافر جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا :

هُدًى لِّلنَّاسِ

لیکن چونکہ انتفاع اس سے اہلِ تقویٰ کو ہوتا ہے اس لیے هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ارشاد ہوا جیسے کہتے ہیں کہ بارش سبزہ کے لئے ہے یعنی منتفع اس سے سبزہ ہوتا ہے اگرچہ برستی کلر اور زمین بے گیاہ پر بھی ہے ۔

تقویٰ کے مراتب بہت ہیں۔

عوام کا تقویٰ ایمان لا کر کفر سے بچنا ہے ۔

متوسطین کا تقویٰ اوامر و نواہی کی اطاعت کرنا ہے اور خواص کا تقویٰ ہر ایسی چیز کو چھوڑ دینا ہے جو اللہ سے غافل کرے ۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ۔

تقویٰ سات قسم کا ہے۔

۱. کفر سے بچنا یہ بفضلِ تعالیٰ ہر مسلمان کو حاصل ہے ۔

۲. بدمذہبی سے بچنا یہ ہر سنی کو نصیب ہے ۔

یتیموں کا مال ہضم کیا کرتے تھے آج وہ زبانیں گدی سے کھینچ لی جائیں گی جو ہمیشہ توہین و تنقیص انبیاء توہین صحابہ، توہین اہل بیت اور توہین اولیاء میں کھلا کرتی تھیں۔ آج جبّہ و دستار کے دبیز پردوں میں چھپنے والے ایمان و اسلام کے لٹیروں اور ڈاکوؤں کا اصل روپ ظاہر کیا جائے گا۔

صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُعْرَفُ بِهِ يُقَالُ هٰذِهٖ غَدْرَةُ فُلَانٍ ہ

ترجمہ:

ہر عہد شکن کا قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا جس سے وہ پہچانا جائے گا۔ کہا جائے گا کہ یہ ہے فلاں شخص کی عہد شکنی۔

یعنی تمام خلقت کے سامنے برسرِ عام اُسے روشناس کرایا جائے گا اور اس کی غداری کا اعلان کیا جائے گا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا جائے گا کہ اس بدبخت نے یہ غداری کی تھی۔

یہ پیر تھا اس نے مریدوں کو دھوکا دیا۔ یہ خطیب تھا اس نے عوام کو دھوکا دیا۔ یہ امام تھا اس نے مقتدیوں کو دھوکا دیا۔ یہ بادشاہ تھا اس نے رعایا کو دھوکا دیا یہ اولاد تھی اس نے والدین کو دھوکا دیا۔ الغرض ہر ایک کا دھوکا اس کے جھنڈے پر لکھا ہوگا۔

شارحینِ حدیث فرماتے ہیں:

عربوں میں رواج تھا کہ پر رونق میلوں میں بدعہدی اور دھوکہ کرنیوالوں کی تشہیر کے لیے بڑے بڑے جھنڈے گاڑ دیئے جاتے تھے تاکہ تمام لوگ ان کے کردار سے واقف ہو جائیں۔ یہیں سے جھنڈے کا تصور پیدا ہوا۔ تو جس طرح یہ جھنڈے ان لوگوں کی بدعہدی کو واضح کرتے تھے اسی طرح قیامت میں غداروں اور دھوکہ بازوں کی پشت کے پاس جھنڈے ہوں گے۔ تاکہ آج بے نقاب ہو جائیں

مسلم شریف ہی میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يُجَاءُ بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُلْقٰى فِي النَّارِ فَتَنْدَلِقُ

تھی کہ پوچھنا یاد ہی نہیں رہا۔ اب بتاؤ اس نے عرض کیا۔

میں زمانۂ جاہلیت میں چند لوگوں پر گزرا۔ انہوں نے مجھ سے منتر پڑھوایا۔ اور وعدہ کیا کہ جب کوئی چیز ہوگی اس منتر کے معاوضہ کے طور پر دے دیں گے۔ آج میں ان کے پاس گیا تو وہاں شادی ہو رہی تھی۔ انہوں نے مجھے یہ کھانا دیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تو تو مجھے ہلاک کرنے لگا تھا۔ اس کے بعد حلق میں ہاتھ ڈال کر قے کرنا چاہی لیکن نہ ہو سکی۔ کسی آدمی نے عرض کی۔ اگر پانی پیٹ بھر کے پیئیں تو قے ہو سکتی ہے۔ آپ نے پانی منگوایا اور پی پی کر قے کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ لقمہ نکل آیا۔ ایک آدمی نے عرض کی۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ یہ ساری تکلیف ایک لقمہ کھانے کی وجہ سے فرمائی آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر میری جان کے ساتھ بھی یہ لقمہ نکلتا تو میں اس کو نکالتا۔ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جو جسم مال حرام سے پرورش پائے۔ جہنم کا زیادہ مستحق ہے۔ اس لئے میں نے جلدی نکالنے کی کوشش کی کہ کہیں اس لقمے سے میرے جسم کا کوئی حصہ پرورش نہ پا جائے۔

اللہ اکبر کبیرا۔

ایک لقمہ کھالیا تو اتنی تکلیف اٹھائی آج ہم ہیں کہ عمر گزر جاتی ہے حرام کھاتے لیکن کبھی آخرت کی فکر نہیں ہوتی بلکہ ھل من مزید کی صدائیں لگاتے رہتے ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خلیفہ بنے تو بیت المال سے آپ کا وظیفہ مقرر کیا گیا۔ گھر میں آپ کی اہلیہ محترمہ نے کوئی میٹھی چیز پکائی تو پوچھا یہ کہاں سے آئی۔

انہوں نے عرض کی جو وظیفہ آپ کو ملتا ہے اس میں سے میں ہر روز تھوڑا تھوڑا بچاتی رہی۔ آج یہ پکا لی۔ آپ نے فرمایا اس کا مطلب ہے بیت المال سے ہر روز ہم کو اتنی زیادہ مقدار ملتی ہے آئندہ کے لئے وہ مقدار وظیفہ سے کم فرما دی۔ کہ ہمارا اتنے پر بھی گزارہ ہو سکتا ہے۔

ترجمہ:

کیا لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو. تو کیا تمہیں عقل نہیں. اگرچہ یہ خطاب علماء یہود سے ہے لیکن یہ سبق سب کے لیے عام ہے. اس آیت کا خطاب ہر اس شخص سے ہے جو دوسروں کو تو نیکی کا حکم دیتا ہے اور خود نیکی کرنے سے محروم رہتا ہے.

پارس پتھر کے بارے میں مشہور ہے کہ جس چیز کو چھو جائے. سونا بنا دیتا ہے. اسی پتھر کے حوالے سے کسی بزرگ نے بہت قیمتی بات کی ہے. فرماتے ہیں.

" علمائے بے عمل پارس پتھر کی مانند ہیں جو دوسروں کو تو سونا بناتا ہے. اور خود پتھر کا پتھر ہی رہتا ہے."

میر تقی میر نے کہا ہے:

اے میر یہ مثل ہے جو عالم ہے بے عمل
گویا وہ اک گدھا ہے کتب سے لدا ہوا

قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر علمائے بے عمل کے لیے کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا کی مثال بیان ہوئی ہے. دوستو دعا کرنی چاہیے.

اَللّٰهُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَجْعَلْنَا مِنْهُمْ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

بات بہت دور نکل آئی. اب مناسب معلوم ہوتا ہے. کہ میں مدارج تقویٰ بیان کرتے ہوئے مضمون کو سمیٹنے کی کوشش کروں.

عظمت قرآن کو بایں الفاظ بیان فرمایا:

اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۔ (بقرہ)

ترجمہ:

وہ لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں۔

اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اس پر جو آپ پر اتارا گیا اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ

(آلِ عمران ۱۶)

جو کہتے ہیں اے ہمارے رب بے شک ہم ایمان لائے۔ پس تو ہمارے گناہ معاف فرما۔ اور ہمیں عذابِ جہنم سے بچا۔

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۔ (آلِ عمران ۱۷)

ترجمہ:

(مومن) صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور حکم ماننے والے اور خرچ کرنے والے اور پچھلی رات میں بخشش طلب کرنے والے ہیں۔

وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (بقرہ)

۳. ہر کبیرہ گناہ سے بچنا۔

۴. صغائر سے بھی بچنا۔

۵. شبہات سے احتراز۔

۶. شہوات سے بچنا۔

۷. غیر کی طرف التفات سے بچنا۔ یہ اخص الخواص کا منصب ہے اور قرآنِ عظیم ساتوں مرتبوں کا ہادی ہے۔

اس لیے قرآنِ حکیم کو ھُدًی لِلْمُتَّقِین بھی فرمایا اور ھُدًی لِلنَّاس بھی فرمایا کہ ہر شخص اپنی اپنی علمی و فکری اور عملی استعداد کے مطابق گلشنِ قرآن سے اپنا دامنِ مراد بھرتا ہے۔ بارش اگرچہ پہاڑوں، میدانوں، دریاؤں اور ندی نالوں سب پر برابر برستی ہے لیکن دیکھو جس کا جتنا ظرف تھا اس نے اپنے ظرف کے مطابق فیض پایا۔ نالہ تھا اس نے اپنی ہمت کے مطابق ظرف بھرا۔ دریا تھا اس نے اپنی وسعت کے مطابق ظرف بھرا۔ مگر پہاڑ کو دیکھو بظاہر بادلوں کے زیادہ قریب تھا۔ لیکن چونکہ غرور کیا، سر اٹھایا اس لیے کچھ نہ پایا۔ اسی طرح قرآنِ پاک کی تعلیمات کا ابرِ کرم سب پر برسا لیکن فائدہ صرف انہی لوگوں نے اٹھایا جو لباسِ تقویٰ سے مزیّن تھے۔

اب چند واقعات نمونے کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ آپ کو پتہ چلے گا کہ تقویٰ کس کیفیت اور کن اطوار کا نام ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک غلام تھا۔ جو مزدوری کرتا اور اپنی مزدوری میں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے کھانا لاتا۔ ایک دفعہ وہ کچھ کھانا لے کر آیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں سے ایک لقمہ تناول فرمایا۔

غلام نے عرض کی حضرت آپ ہر روز کھانے سے پہلے یہ پوچھ لیا کرتے تھے کہ کھانا کس ذریعہ سے کمایا۔ آج آپ نے دریافت نہیں فرمایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ بھوک اتنی شدید لگی

بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔

طبرانی میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قیامت کے دن ایک پکارنے والا پکارے گا۔

لوگو! اللہ پاک نے ایک نسب مقرر کیا ہے جو تمہارے نسب سے الگ ہے پھر اللہ پاک فرمائے گا میں نے متقی کو بزرگ بتایا۔ مگر تم نے تسلیم نہ کیا۔ آج میں تمہارے نسب پست کردوں گا اور اپنے نسب کو بلند کردوں گا۔ پھر حکم ہوگا بلاؤ متقی کہاں ہیں۔

جہالت کی روایات میں جکڑے ہوئے جاہلو! اور اپنی ذاتوں پر غرور کرنے والے نادانو! دیکھو؛ خدائے لم یزل کیا فرما رہا ہے۔ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا بتا رہا ہے۔

کوئی سید ہو یا اعوان، راجہ ہو یا چوہدری ملک ہو یا مہر خبردار اپنے ذہن میں خدا کے کسی بندے پر ذاتی برتری کا خیال مت لائیے۔ اللہ کی بارگاہ میں عزت والا فقط وہی ہے جو پرہیزگار ہے۔

ابولہب حضور کا چچا تھا۔ دامنِ نبوت کو چھوڑ دیا۔ خدائی فرمان کا منکر ہوا تو جہنم کی آگ میں جل رہا ہے۔

لیکن ذرا بلال حبشی کو تو دیکھو، حبشہ کا رہنے والا، رنگ کالا، دنیا داروں کی نظروں میں پست ذات لیکن جب عاشقِ رسول اور پروانۂ شمع رسالت بنا تو نسب مٹ گیا۔ نسبت عروج پا گئی۔ آج بھی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزارِ مقدس پر جا کر دیکھو تو کئی سید۔ اعوان۔ پٹھان، چوہدری اور راجے پاؤں میں بیٹھے خاکِ قبر کو چومتے نظر آئیں گے۔

یہ عظمتیں فقط اس نسبت سے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آ کر تمام نسبتیں ختم کر دی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ ایک شخص کی فرمائش پر دودھ پیا۔ مزہ کچھ عجیب سا لگا۔ پوچھا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا۔ اس نے کہا فلاں جنگل میں صدقہ کے اونٹ چر رہے تھے۔ میں وہاں گیا تو ان لوگوں نے دودھ نکالا جس میں سے مجھے بھی دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً ہاتھ منہ میں ڈالا اور وہیں قے فرما دی۔

حضرت علی بن ہند رحمۃ اللہ علیہ ایک محدث ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں ایک کرایہ کے مکان میں رہتا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے کچھ لکھا اور اسے خشک کرنے کے لئے مٹی کی ضرورت پڑی۔ دیوار کچی تھی سوچا اس سے کھرچ کر تحریر پر ڈال لیتا ہوں پھر خیال آیا کہ یہ مکان میں نے رہنے کے لئے لیا ہے نہ کہ مٹی لینے کے لئے۔ مگر پھر خیال آیا کہ اتنی ذرا سی مٹی لینے میں کیا حرج ہے معمولی چیز ہے کوئی بات نہیں۔ میں نے مٹی لی۔ رات کو جب سویا تو میں نے سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے یہ تو کل قیامت کو پتہ چلے گا کہ کسی کی معمولی مٹی لینا کیا چیز ہے۔

اگرچہ تھوڑی سی مٹی لینا عرفاً معمولی چیز شمار ہونے کا جواز کی حد میں تھا لیکن یہ جواز تو ہم لوگوں کے لئے ہے۔ جو لوگ تقویٰ کے بلند مقام پر فائز ہیں وہ تو معمولی چیز بھی بغیر اجازت لینا ناجائز سمجھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ تقویٰ کو دین اسلام میں انتہائی اہم مقام حاصل ہے قرآن حکیم میں بار بار تقویٰ کے متعلق فرمایا گیا ہے۔

تقریباً اٹھاسی مرتبہ قرآن پاک میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے صرف سورۃ بقرہ میں چودہ مرتبہ مختلف احکام کے بعد تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا جس سے تقویٰ کی اہمیت و عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔

قرآن حکیم میں متقیوں کی جو صفات بیان ہوئی ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا

ترجمہ:
اور صبر کرنے والے مصیبت اور سختی میں اور جہاد کے وقت یہی ہیں جنہوں نے
اپنی بات سچی کی اور یہی پرہیزگار ہیں۔

يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ (آل عمران۔۱۱۴)

ترجمہ:
نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نیک کاموں پر دوڑتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكَاظِمِيْنَ
الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (آل عمران۔۱۳۴)

ترجمہ:
وہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ خوشی میں اور رنج میں اور غصہ پینے
والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے۔

وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ
ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ۔
(آل عمران۔۱۳۵)

ترجمہ:
اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم کریں۔ اللہ کو یاد کرکے اپنے
گناہوں کی معافی چاہیں۔

تقویٰ کی عظمت کے لئے اللہ پاک کا یہی ایک ارشاد کافی ہے۔ فرمایا:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ۔ (الحجرات)

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ فَقَدْ رَفَعَہُ اللّٰہُ

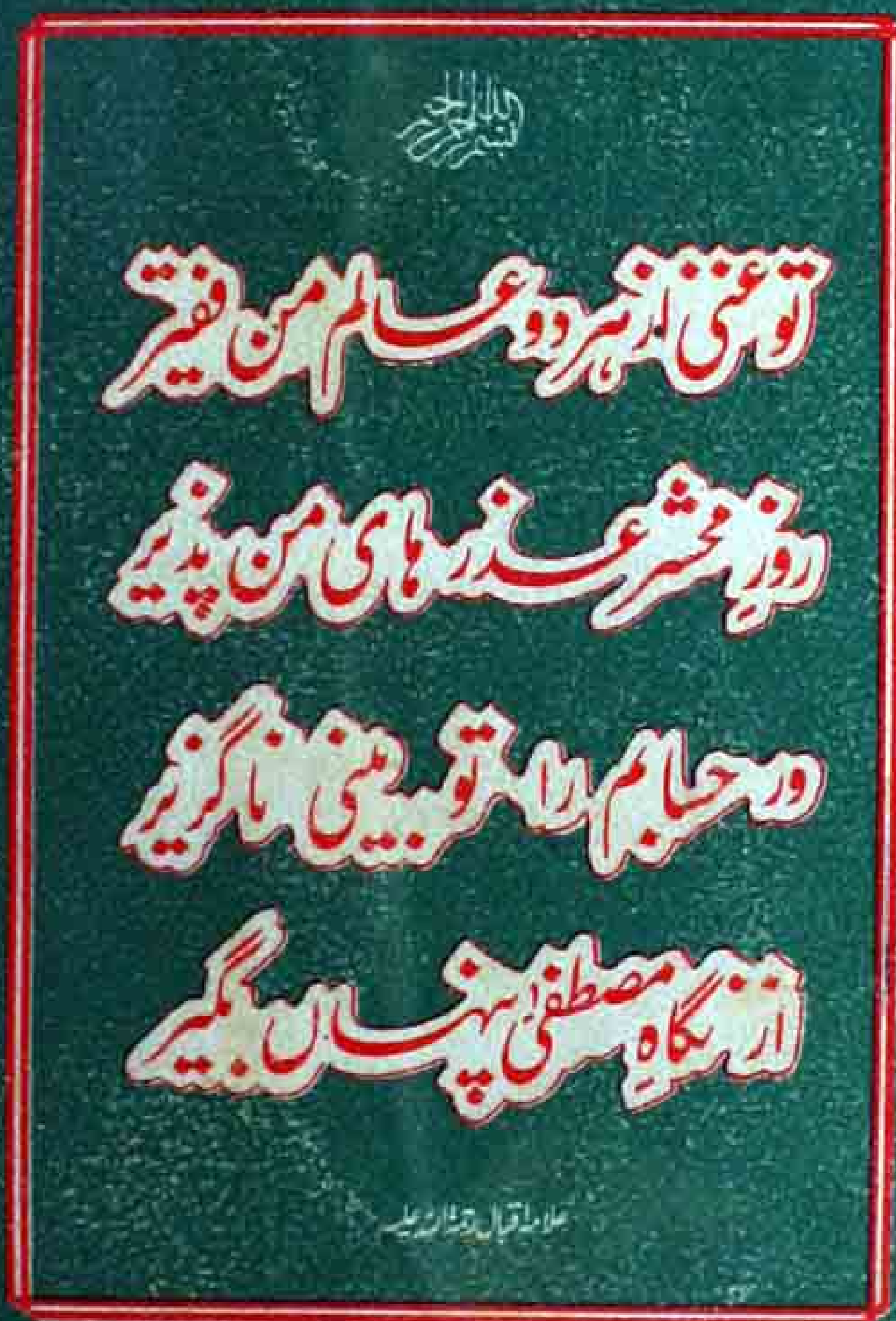
ترجمہ:

جو اللہ کی بارگاہ میں عاجزی کرتا ہے بیشک اللہ اسے عظمتیں عطا کرتا ہے

دعا فرمائیں اللہ پاک ہم سب کو تقویٰ کی دولت سے نوازے اور ہمارے دلوں کو لذتِ عبادت و تقویٰ سے آشنا فرما دے۔

آمین یا رب العالمین

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ



شعبۂ اصلاح و تبلیغ جامعہ صدیقیہ تاج العلوم
جامع مسجد چوہدریاں رتہ امرال راولپنڈی
فون ۷۳۳۳۶
گھر ۵۸۳۸۲۳